WWW.NAFSEISLAM.COM

سُورۃ التَّوبَہ

اس سورۃ پاک کے متعدد نام منقول ہیں لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ التوبہ اور البراءۃ۔ کیونکہ اس میں چند مخلص اہل ایمان کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے اس لیے اسے توبہ کہا گیا۔ اور کیونکہ اس میں مشرکین عرب کے ساتھ جتنے سابقہ معاہدے تھے ان کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا گیا اس لیے اسے براءت کہا گیا۔ یہ سورۃ سولہ رکوعوں، ایک سو انتیس آیتوں اور چار ہزار اکہتر کلمات پر مشتمل ہے۔

نزول باتفاق علماء یہ سورۃ مدنی ہے اس میں مذکورہ واقعات کو بنظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہوئی کیونکہ غزوۂ تبوک جس کا ذکر یہاں بڑی شرح و بسط سے کیا گیا ہے وہ ماہ رجب ۹ھ میں ہوا اور مشرکین سے عام بیزاری اور قطع تعلقات کا اعلان بھی اس حج کے موقع پر کیا گیا جو ذی الحجہ ۹ھ میں ادا کیا گیا۔ اگرچہ غزوۂ تبوک سے متعلقہ آیات کا نزول اعلان براءۃ والی آیات سے پہلے ہوا لیکن مؤخر الذکر کی اہمیت کے پیش نظر ترتیب قرآنی میں اسے مقدم رکھا گیا۔ قال القشیری ھذہ السورۃ نزلت فی غزوۃ تبوک ونزلت بعدھا (قرطبی)

اس سورۃ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں لکھی جاتی۔ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آغاز میں بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا اس لیے نہیں لکھی گئی۔ والصحیح ان البسملۃ لم تکتب لان جبریل علیہ السلام ما نزل بھا فی ھذہ السورۃ (قرطبی)

مضامین سورۃ مکہ جو اب تک کفر و شرک کا ایک ناقابل تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا ۸ھ میں فتح ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بے خانماں مہاجروں اور انصار نے پھر حرم خلیل میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عرب کے بیشتر قبائل خود بخود آ کر مشرف باسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا اثر و نفوذ جزیرہ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی محسوس ہونے لگا۔ عرب خصوصاً حجاز کا بے آب و گیاہ خطہ کسی فاتح کے لیے اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے دائیں بائیں دو جابر سلطنتیں ہونے کے باوجود کسی نے اس کو زیر نگین کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں کے داخلی حالات سے بھی انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضور رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے جو انقلاب رونما ہو رہا تھا اس کی اطلاعیں وقتاً فوقتاً قیصر روم تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ ایک داخلی معاملہ ہے اور اس میں اتنی تاب نہیں کہ کسی دن اس کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکے۔ لیکن اسی اثنا میں

چند واقعات ایسے رُونما ہوئے جنھوں نے اسے اس نئی طاقت کی اہمیت کا احساس دلا دیا

دوسرے بادشاہوں کی طرح حضور علیہ السلام نے بُصریٰ کے حاکم شرحبیل کی طرف بھی دعوتِ اسلام دینے کے لیے اپنا مکتوب اپنے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا لیکن شرحبیل نے اُسے قتل کر دیا۔ ذات اطلح کے باشندے مدینہ طیبہ سے پندرہ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ اس غرض سے لے آئے کہ وہ انھیں دین اسلام سکھائیں گے لیکن انھوں نے بھی غدر کیا اور ان مسلمانوں کو سوائے ایک کے شہید کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان شہداء کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ شرحبیل ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا۔ اور ہرقل کا بھائی تھیوڈور بھی ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر اس کی امداد کو آپہنچا۔ تین ہزار مجاہدین کے سامنے اب دو لاکھ فوج صف بستہ تھی۔ مسلمان بھی کب ٹلنے والے تھے۔ جنگ شروع ہوئی۔ یکے بعد دیگرے تین مسلمان جرنیلوں زید بن ثابت، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا تھاما اور اس بے جگری اور جانبازی سے اپنے سے چھیاسٹھ گنا فوج کا مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اب ہرقل کی آنکھیں کھلیں کہ عرب کے جن صحرا نوردوں کو وہ خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا ان کے بازو اتنے مضبوط اور ان کی تلواریں اتنی تیز ہیں کہ اس کی دو لاکھ فوج بھی انھیں شکست نہ دے سکی۔ انہی دنوں میں یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ ہرقل کی عرب فوج کا ایک اعلیٰ افسر فروہ بن عمرو جذامی مشرف باسلام ہو گیا۔ ہرقل نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یا تو اس نئے دین سے تائب ہو کر اپنا سابقہ مذہب (عیسائیت) اختیار کر لو ورنہ تمھارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس نے بڑی خوشی سے جان دے دی لیکن اپنے ایمان سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ ان واقعات نے ہرقل کو چوکنا کر دیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی مسلمانوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دے گا۔ چنانچہ اس نے زور و شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خود بڑھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔

رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نگاہ دُور بین دُور افق پر نمودار ہونے والے فتنہ و فساد کے بادلوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے بھی شام پر چڑھائی کا عزم فرما لیا۔ حالات بڑے ناسازگار تھے۔ ملک میں عام قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا چلچلاتی دھوپ اور جھلس دینے والی لُو غضب ڈھا رہی تھی۔ ریتیلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں جب جہاد پر جانے کا حکم ہوا تو شدت کی گرمی تھی۔ باغات میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ کھجوریں کھانے، ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔

جب جنگ کی تیاری کا حکم ہوا تو مردانِ وفا کیش تو بلا تامل تعمیل حکم کے لیے حاضر ہو گئے۔ اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مالی امداد بھی کی۔ عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں اور گلے کے ہار تک اُتار کر پیش کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ہزارہا اشرفیاں لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ حضرت صدیقؓ نے اپنی عمر بھر کا اندوختہ اٹھا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر کر دیا۔ لیکن ان سرفروشوں اور جاں نثاروں کے علاوہ کئی اور عناصر بھی تھے۔ ایک عنصر منافقین کا تھا وہ بھلا

عہدِ رسالت میں مشہور عرب قبائل کے مساکن

(ساتویں صدی عیسوی)

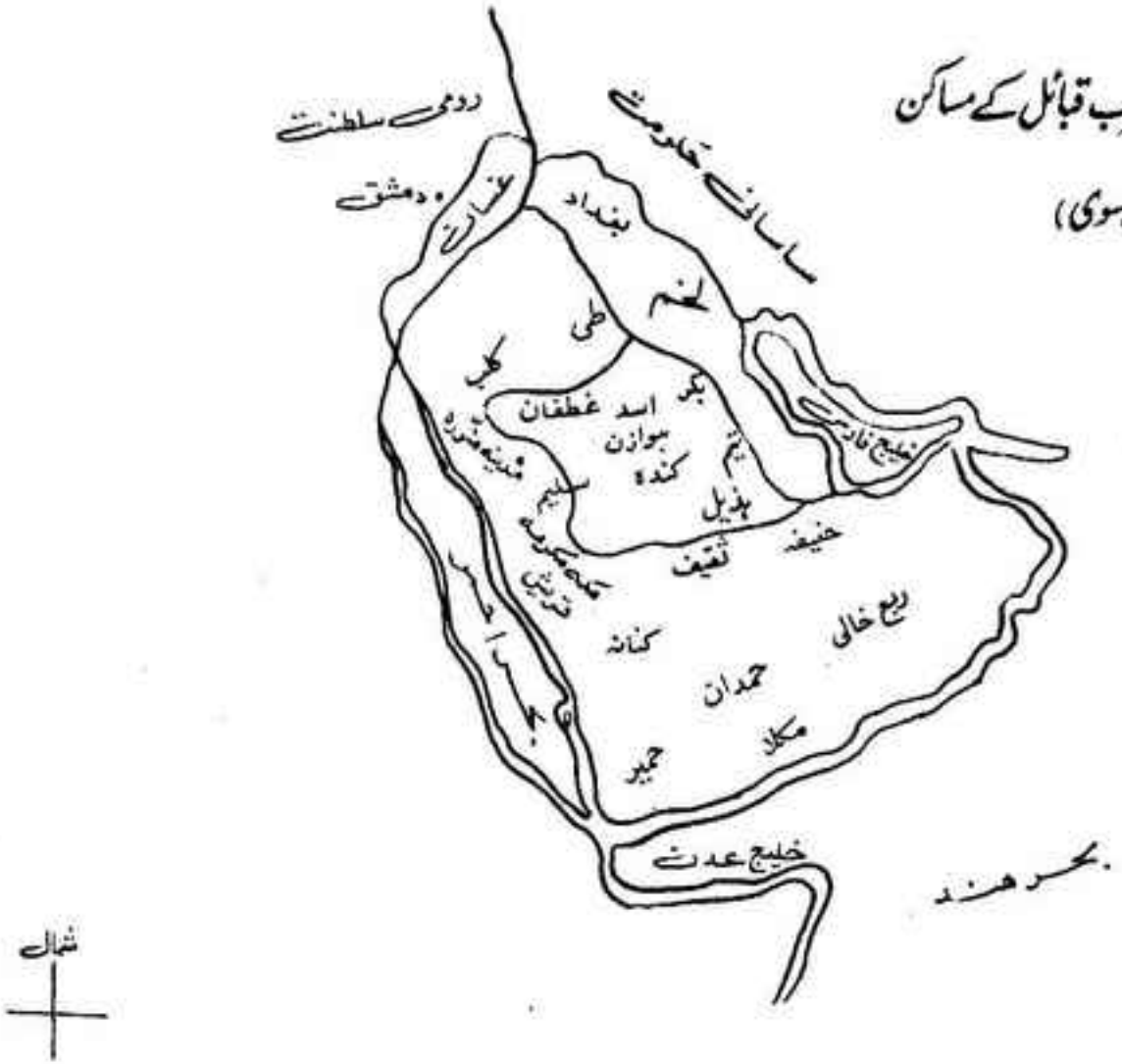

کب ان زحمتوں اور صعوبتوں کو گوارا کرنے والے تھے۔ طرح طرح کے جھوٹے اور بے سروپا بہانے پیش کرتے اور حضور ان سے صرفِ نظر کر لیتے۔ یہ لوگ اور دوسرے مشرک دل ہی دل میں بڑے خوش تھے۔ انھیں یقین تھا کہ مسلمان اب بچ کر واپس نہیں آئیں گے بلکہ قیصر کی افواج قاہرہ انھیں کاٹ کر رکھ دیں گی اور اس طرح اسلام کا چراغ بجھ جائے گا۔ ان کی ساری امیدیں اب اس جنگ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

آخر تیس ہزار کا یہ لشکر اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کی قیادت میں اپنے مولائے کریم کا نام بلند کرنے کے لیے اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا گاڑنے کے لیے موسم کی اس ناسازگاری کے باوجود، سامانِ خورد و نوش کی قلت اور سواریوں کی کمیابی کے باوجود دنیا کی ایک عظیم ترین طاقت سے ٹکر لینے کے لیے روانہ ہوا۔ عشاقِ باصفا کا یہ کاروان تپتے ہوئے ریگستانوں کو پیاں وحریر سمجھتا ہوا، نوکِ خارِ مغیلاں سے اپنی آبلہ پائی کا درماں کرتا ہوا، بادِ سموم کو نسیمِ لطف و عنایت تصور کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔ اور تبوک کے مقام پر جا کر خیمہ زن ہوا۔

قیصر کو جب اطلاع ملی کہ جن کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے وہ حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا وہ جوانمرد اپنے فقر و درویشی سے مسلح ہو کر اس کی طاقت و سطوت کو اس کے اپنے ملک میں اور اس کے اپنے گھر میں للکارنے آ گئے ہیں تو اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنی فوجوں کو سرحد سے ہٹا لے اور اپنے شہروں میں قلعہ بند ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیس روز تک وہاں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنا باجگزار بنایا۔ چنانچہ جرباء، اذرح اور عمان کے لوگوں نے جزیہ دینے پر صلح کی۔ ایلہ کا عیسائی حکمران یوحنا دربارِ رسالت میں آ کر صلح کا خواہاں ہوا اور تین سو دینار سالانہ ادا کرنے پر مصالحت کی۔ دومۃ الجندل کے عیسائی حاکم اکیدر پر حملہ کرنے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ اس کو قید کر کے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔ اگرچہ رُوم کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی لیکن اس مہم سے اسلام کی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ سلطنتِ رُوم کی سرحد کے ساتھ ساتھ جتنے عرب قبائل تھے یا تو وہ مسلمان ہو گئے یا باج گزار۔ اس طرح عرب کی یہ سرحد دشمن کی یلغار سے محفوظ ہو گئی۔ نیز قیصر اور اس کے اعوان و انصار کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ مسلمان ایک تر نوالہ ہیں جب ان کی مرضی ہو گی وہ انھیں نگل جائیں گے۔ اس کے علاوہ تمام عرب قبائل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور بیچارے منافقین اور اسلام کے تمام بدخواہوں کی آرزوؤں پر تو پانی پھر گیا۔ اور بڑی مدت کے بعد امید کی جو کرن انھیں اُفق پر نظر آئی تھی وہ بھی مایوسی کے گھپ اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئی۔ غزوۂ تبوک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا جو اپنی اہمیت میں کسی سے کم نہیں کہ منافقین بے نقاب ہو گئے اور جو مراعات ان کے ساتھ پہلے روا رکھی جاتی تھیں ان سے وہ محروم کر دیئے گئے۔

دوسرا اہم واقعہ جس کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے وہ مشرکین اور کفار کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیشہ کوشش فرمائی کہ تمام غیر مسلم قوموں کے ساتھ صلح و سلامتی سے رہیں۔ اسی مقصد کے لیے ان کے ساتھ صلح کے معاہدے کیے گئے لیکن فریقِ ثانی نے ان کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور جب کبھی موقع ملا

عہد شکنی کر دی۔ اسی سال ماہ ذی قعدہ میں مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ امیر الحج حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس قافلہ کی روانگی کے بعد اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ کیونکہ مجمع عام میں ان کا اعلان کرنا ضروری تھا اور حج کے موقع پر عرب کے اطراف واکناف سے لوگ جمع ہونے والے تھے اس لیے حضورؐ نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے روانہ فرمایا تاکہ حج کے روز یہ اعلان عام کر دیا جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تمام کفار سے کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ نہیں کی جا رہی بلکہ ان قوموں کے معاہدوں کی تنسیخ کا اعلان کیا جا رہا ہے جنھوں نے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ چنانچہ آیت ۴ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اب جب کہ عرب کے طول وعرض میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا تو ضروری تھا کہ کعبۂ مقدسہ سے کفار کی تولیت ختم کر دی جائے اور اہل ایمان کو اس کا متولی بنایا جائے۔ چنانچہ یہ حکم بھی فرما دیا کہ آج کے بعد مسلمان ہی کعبہ اور مسجد حرام کی خدمت انجام دیا کریں گے۔

ابھی تک مشرکین حرم کعبہ میں آکر اپنی سابقہ مشرکانہ رسوم ادا کیا کرتے تھے۔ اب یہ کیونکر مناسب تھا کہ اسلام کے برسر اقتدار آجانے کے بعد بھی اس حریم قدس میں مشرکانہ رسوم ادا ہوں جسے اس کے تعمیر کرنے والے نے محض اس لیے تعمیر کیا تھا کہ اس میں خدائے واحد کی عبادت کی جائے۔ اس لیے اس سال سے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ انہی امور کے متعلق ضمنی بحثیں اور بھی ہیں۔ اپنے اپنے مقام پر ان کی وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ توبہ مدنی ہے۔ اس کی ۱۲۹ آیتیں ہیں اور ۱۶ رکوعات ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ①

یہ قطع تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے[1]

[1] جیسے پہلے کئی بار مذکور ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے تمام قبائل کے ساتھ امن اور دوستی کے معاہدے کیے لیکن مسلمانوں کی ظاہری کمزوری کے پیش نظر وہ ان معاہدوں کا احترام شاذ و نادر ہی ملحوظ رکھا کرتے اور جب کبھی انھیں موقع ملتا مسلمانوں کو زک پہنچانے سے گریز نہ کرتے۔ اب جبکہ حضور تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے جو مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دور تھا اور قیصر کی فوج سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ تھا تو شرک و کفر کے پرستاروں کے ہاں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ قیصر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا اور اب مسلمان ان کی عہد شکنی کے متعلق ان سے باز پرس نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلانے لگے اور ہر ممکن ذریعہ سے عہد شکنی کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضور اپنے غلاموں کے ہمراہ مظفر و منصور واپس تشریف لائے۔ اب فیصلہ طلب امر یہ تھا کہ کیا ان مارِ آستین کو کھلی چھٹی ملی رہے کہ جس وقت موقع دیکھیں اسلامی دین اور اسلامی ریاست کو ڈستے رہیں۔ جب کبھی مسلمان کسی بیرونی دشمن کی طرف متوجہ ہوں تو پیٹھ میں خنجر پیوست کر دیں۔ اس لیے تبوک سے واپسی کے بعد جب ذیقعدہ ۹ھ میں مسلمانوں کا قافلہ سفر حج پر روانہ ہو چکا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا کہ اب کفر کے ساتھ سابقہ معاہدے منسوخ ہیں۔ دوستی کے لباس میں اسلامی انقلاب کو زک پہنچانے کی انھیں اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا کہ حج کے دن یہ اعلان عام کر دیں۔ حضرت صدیق اپنے قافلہ سمیت مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ اونٹنی کے بلبلانے کی آواز کان میں آئی۔ فوراً پہچان گئے اور فرمانے لگے ھٰذا رغاء ناقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میرے رسول مکرم کی اونٹنی کی آواز ہے۔ جب حضرت علیؓ قریب پہنچے تو پوچھا امیر او مامور؟ کیا آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر۔ حضرت علیؓ نے بتایا امیر الحج آپ ہی ہیں میں تو مامور بن کر آیا ہوں اور یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپ حضرت صدیق کی اقتدا میں ہی نمازیں ادا کرتے، آپ کی ہدایت کے مطابق ارکان حج ادا کرتے مکہ پہنچے۔ اور دسویں ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اے لوگو! میں اللہ کے رسول کا پیغامبر بن کے آیا ہوں اور اس سورۃ کی ابتدائی تیس (یا چالیس) آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اور اس کے بعد کہا کہ مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تمھیں یہ حکم بھی سنا دوں:

۱۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ

(اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ ۲ اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے

مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کو ۳ اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ۴ اور اعلان عام ہے اللہ

۲۔ کوئی برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

۳۔ اہلِ ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۴۔ اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے اگر اس نے عہد شکنی میں پہل نہ کی تو اس کا عہد پورا کیا جائے گا اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں اسے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس اعلان پر مخالفین کی طرف سے جو ردِ عمل ہوا وہ اس بات کا شاہد عادل ہے کہ یہ قطع تعلقات مناسب بلکہ ضروری تھا اور اس میں ذرا سا تساہل اپنے آپ کو فریب دینا تھا۔ فقالوا عند ذالك یا علی ابلغ ابن عمك انا قد نبذنا العهد وراء ظهورنا وانه لیس بیننا وبینه عهد الا طعن بالرماح وضرب بالسیوف (رازی)

انھوں نے کہا اے علی! اپنے چچا کے بیٹے (یعنی رسولِ مکرم) کو بتا دینا کہ ہم نے معاہدوں کو پس پشت پھینک دیا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کو نیزوں اور تلواروں سے گھائل کرنے کے سوا کوئی دوسرا معاہدہ نہیں۔ براءۃ کا معنی ہے انقطاع العصمۃ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا ھذہ محذوف ہے۔ ترجمہ میں میں نے اسی ترکیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

۲ فَسِيْحُوْا امر کا صیغہ ہے جو سیاحت سے ماخوذ ہے۔ سیاحت کا معنی ہے ملک کے اطراف واکناف میں چلنا پھرنا۔ اصل السیاحۃ الضرب فی الارض والاتساع فی السیر۔ یہاں مدعا یہ ہے کہ تمہیں چار ماہ تک ہر طرح کی مکمل آزادی ہے جہاں چاہو جاؤ جس سے چاہو ملو، تم پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ علامہ قرطبی کلبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے معاہدہ کی میعاد چار ماہ سے کم تھی یا میعاد مقرر ہی نہ تھی لیکن جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے متعلق حکم ہوا کہ اس کو مقررہ وقت تک نبھاؤ۔ فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم۔

۳ کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ یہ میعاد کسی کمزوری یا ضعف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے تاکہ تم اپنے مستقبل کے متعلق ٹھنڈے دل سے خوب سوچ لو۔ مخالفین کے ساتھ یہ نرمی اور رواداری اس وقت برتی جا رہی ہے جب کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور ارد گرد کے قبائل یا اسلام لا چکے تھے یا اطاعت قبول کر چکے تھے۔ کفر کی چند پراگندہ جماعتوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر جمعیت نہ تھی جس سے اسلام کو اب جزیرۂ عرب میں اندیشہ ہو۔ عین قوت و سطوت کے وقت اپنے دشمنوں سے نرمی کا یہ سلوک اسلام کے دینِ رحمت ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

۴ دنیا میں قتل و ذلت اور آخرت میں عذاب۔ اِخزاء کا معنی ہے رسوا کن ذلت۔ الاذلال مع اظہار الفضیحۃ۔ (رازی)

وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ

اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لیے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ

مشرکوں سے - اور اس کا رسول بھی ۵ اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے ۶ اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ۷ اور خوش خبری سنا دو

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

کافروں کو دردناک عذاب کی - بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ۸

۵ ورسولہٗ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ اللہ کا کلمہ ہے جو اَنَّ کا اسم ہے اور منصوب ہے۔ نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک جیسا ہوا کرتا ہے۔ اس قاعدہ کی رُو سے رسولہٗ (منصوب) ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں رسولہٗ (مرفوع) ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ بیشک ورسولہٗ معطوف ہے لیکن یہ مفرد معطوف نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اس کی خبر بَرِیْءٌ محذوف ہے۔ رسولہٗ اپنی خبر سمیت بصورت جملہ معطوف ہے اور اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْءٌ بصورت جملہ معطوف علیہ ہے۔ اس لیے یہاں یہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔

۶ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اپنی کارستانیوں پر اگر تم نادم ہو کر حاضر ہو جاؤ گے تو تمہیں دھتکارا نہیں جائے گا بلکہ آغوشِ لطف و کرم کو تم اپنے لیے کشادہ پاؤ گے۔ تمہاری گزشتہ نافرمانیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

۷ لیکن اگر اب بھی تم شرارتوں سے باز نہ آئے اور بدستور مخالفت پر کمربستہ رہے تو کان کھول کر سن لو تمہاری کوئی تدبیر، کوئی کوشش، کوئی سازش اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ناکام نہیں بنا سکتی۔ تمہارا انجام دنیا میں بھی بہت ذلت آمیز ہوگا اور آخرت کے دردناک عذاب کا تو تم تصور تک نہیں کر سکتے۔

۸ اس آیت نے سابقہ حکم کی وضاحت کر دی کہ صرف ان قبائل کے معاہدوں کو منسوخ کیا جا رہا ہے جنہوں نے معاہدوں کی خود پہلے خلاف ورزی کی اور ان کا احترام نہ کیا لیکن جو اپنے معاہدوں کے پابند ہیں۔ نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا

پھر انھوں نے نہ کمی کی تمھارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انھوں نے مدد کی تمھارے خلاف کسی کی۔ تو پورا کرو

اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٤﴾

ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک۔ بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ۹

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے ۱۰ تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انھیں اور

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ

گرفتار کرو انھیں اور گھیرے میں لے لو انھیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ۔ پھر اگر یہ

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ

توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک

۹ گویا عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔ آیت کے اس تتمہ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاہدوں کی پابندی کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیا۔ تعلیل وتنبیہ علی ان اتمام عهدهم من باب التقوی (مظہری)۔

۱۰ سلخ کا معنی ہے کسی ایسی چیز کو اتار پھینکنا جو جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو۔ بھیڑ بکری کی کھال ادھیڑنے کو بھی سلخ شاۃ کہا جاتا ہے اور یہاں مراد ہے ان مہینوں کا ختم ہو جانا۔ مرصد: رصد گاہ جہاں کسی چیز کی تاک میں بیٹھا جائے۔ اشہر حرم سے مراد یہاں وہ چار ماہ ہیں جو کفار و مشرکین کو بطور مہلت دیئے گئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ چار ماہ تک کفار کے ساتھ تعرض نہ کریں۔ اس لیے انھیں بھی حرمت والے کہا گیا۔ مشرکین سے مراد صرف عہد شکنی کرنے والے مشرک ہیں۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ یہ مشرکین جن کو تم نے چار ماہ کی مہلت دے رکھی ہے جب یہ مہینے گزر جائیں تو پھر ان عہد شکن مشرکوں پر ٹوٹ پڑو۔ آمادۂ جنگ ہوں تو انھیں تہ تیغ کر دو۔ اگر کسی قلعہ یا محفوظ جگہ میں قیام پذیر ہوں تو ان کو گھیرے میں لے لو۔ اگر قابو میں آجائیں تو گرفتار کر لو۔ غرضیکہ اب یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ ہاں اگر عمر بھر کی سرکشی کے بعد بھی سچے دل سے توبہ کرلیں اور اپنی توبہ کی سچائی کا عملی ثبوت بھی مہیا کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو مایوس نہ کرے گی۔

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے

فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

تو پناہ دیجیے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجیے اسے اس کی امن گاہ میں [11] یہ حکم اس لیے ہے

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ

کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے ۔ کیونکر ہو سکتا ہے [12] (ان عہد شکن) مشرکوں کے لیے کوئی معاہدہ اللہ کے

اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس

[11] ان مشرکین میں سے جن کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اگر کوئی مشرک قرآن کے پیغام کو سمجھنے، اپنی غلط فہمیاں اور شبہات دور کرنے کے لیے ان چار ماہ کے گزرنے کے بعد بھی آنا چاہے تو آپ اسے موقع دیں کہ وہ آئے اور سمجھے اور اس عرصہ میں اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے ۔ اس کے بعد اگر حق کی روشنی اس کے دل کے افق پر نمودار ہو جائے تو عین مطلوب ورنہ اسے بڑی حفاظت سے اس کے مسکن اور قیام گاہ تک پہنچا دیں ۔ آیت میں المشرکین کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے: الذین امرتك بقتالهم (قرطبی، مظہری)۔ امام ابوبکر جصاص نے اس آیت سے کئی احکام مستنبط کیے ہیں جن کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

(۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اسلام کی صداقت معلوم کرنا چاہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم اسے یہ موقع دیں اور پوری کوشش کریں تاکہ اس کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے ۔

(۲) اس عرصہ میں اس کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت اسلامیہ پر ہوگی ۔

(۳) وہ آدمی مقررہ وقت تک ہی سلطنت اسلامیہ میں رہ سکتا ہے اسے غیر معین وقت تک یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی ۔

(۴) اگر وہ زیادہ عرصہ رہنا چاہے گا تو اسے اس مملکت کی شہریت قبول کرنا پڑے گی ۔

[12] یہاں بھی انہیں مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے توڑنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا ۔ کیف یہاں استفہام کے لیے نہیں بلکہ اظہار حیرت و تعجب کے لیے ہے اور یہاں کلام میں اضمار ہے تقدیر کلام یوں ہے کیف یکون للمشرکین عهد

الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

تو جب تک وہ قائم رہیں تمھارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ان کے لیے ۱۳ بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا

الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ

ہے پرہیزگاروں سے۔ کیونکر (انکے معاہدہ کا لحاظ رکھا جائے) حالانکہ اگر وہ غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمھارے بارے

اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ

میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا ۱۴ راضی کرنا چاہتے ہیں تمھیں (صرف) اپنے منہ کی باتوں سے اور انکار کرتے ہیں

اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا

انکے دل اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔ انھوں نے بیچ دیں اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (مزید برآں) روکا انھوں نے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ۱۵ بیشک وہ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ نہیں لحاظ کرتے

مع اضمار الغدر یعنی ان کے دل میں تو دھوکا اور غدر کے جذبات ہیں پھر ایسے لوگوں کے معاہدوں پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

۱۳ مصلحت کے تقاضے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں، عہد شکنی کا آغاز فرزندانِ توحید سے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ جبتک کفار اپنے عہد پر قائم رہیں تمھیں بھی قائم رہنا چاہیے۔ اگر وہ عہد شکنی کی ابتدا کریں تو پھر تم کو بھی اجازت ہے۔

۱۴ کیف یہاں بھی اظہار حیرت و تعجب کے لیے ہے۔ اِلّ یہاں قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (قال ابن عباس) اور ذمہ سے مراد معاہدہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے معاہدوں کا کیا اعتبار جو اگر غالب آجائیں تو خون کے دریا بہا دیں اور تمھارے ساتھ ان کے جو خونی رشتے ہیں انھیں بھی بھلا دیں۔ اور جو امن اور صلح کے عہد و پیمان کر چکے ہیں وہ بھی فراموش کر دیں۔ ان کی یہ سب چکنی چپڑی باتیں ظاہر داری کے لیے ہیں ورنہ ان کے دلوں میں تو تمھارے خلاف دشمنی کا لاوا ابل رہا ہے۔

۱۵ مروی ہے کہ جب اہل مکہ کی قوت کمزور ہوتی نظر آنے لگی تو اہل طائف نے انھیں مالی امداد کا یقین دلایا اور اسلام کے ساتھ جنگ کرنے پر انھیں پھر اکسانا شروع کر دیا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفار مسلمانوں سے مصروفِ جنگ

فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ فَاِنْ

کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا۔ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ پس اگر یہ

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں ۱۶ دین میں۔

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) آیتیں اس قوم کیلیے جو علم رکھتی ہے۔ اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں ۱۷

رہ کر اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی فنا پذیر عیش و عشرت کے وہ اتنے دلدادہ ہیں کہ انھوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں کو نظر انداز ہی کر رکھا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے لفظ اشتراء (خریدنے) سے تعبیر فرمایا، کیونکہ مشتری (خریدار) بھی قیمت سے خرید کردہ چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

۱۶ عمر بھر کی ایذا رسانی اور خون آشامی کے بعد بھی اگر وہ دعوتِ اسلام قبول کریں تو انھیں اسلامی برادری میں شامل کر لیا جائے گا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ پہلے مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی رضا کے یہ بھی مستحق ہو جائیں گے۔ معاشرتی، قانونی اور تمدنی حیثیت سے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔ انھیں پھلنے پھولنے کے تمام مواقع فراہم کیے جائیں گے۔

۱۷ جن کفار و مشرکین نے اسلام قبول کر کے اس کے احکام بجا لانے کا وعدہ کر لیا یا اسلامی مملکت کی پُرامن رعایا بن کر رہنا منظور کر لیا، پھر اگر وہ یہ عہد توڑ دیں یا اسلام کے عقاید و نظریات پر زبانِ طعن دراز کرنے لگیں تو انھیں مملکتِ اسلامیہ کا باغی تصور کیا جائے گا۔ اسی آیت سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ذمی نے اگر حکومتِ اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی شروع کر دی یا اسلام کے عقاید پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے تو اس کا وہ معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔ وفیہ دلالۃ علی ان اھل العھد متی خالفوا شیئاً مما عوھدوا علیہ وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العھد (احکام القرآن للجصاص)۔ طعن کا لغوی معنی ہے نیزہ کا وار کرنا۔ اسی طرح ہر وہ بات جو دل کو دکھ پہنچانے والی ہو اس کو بھی طعن کہتے ہیں۔ بعض علماء لغت نے یہ فرق کیا ہے کہ طعن کا معنی جب نیزہ زنی ہو تو یہ نَصَرَ یَنْصُرُ کے باب پر ہوگا۔ اور جب طعن بالقول ہو تو فَتَحَ یَفْتَحُ کے باب پر ہوگا (قرطبی)۔ اور دین پر طعن کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دین کی طرف ایسی غلط بات منسوب کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں یا دین کے وہ عقائد اور احکام جو دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہیں ان کا مذاق اڑایا جائے۔ والطعن ان ینسب الیہ مالا یلیق بہ او یعترض بالاستخفاف علی ما ھو من الدین لما ثبت

مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ

اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے ۱۸

اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا

بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آجائیں کیا نہیں جنگ کروگے تم

نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ

اس قوم کے ساتھ جنھوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انھوں نے رسول کو نکال دینے کا ۱۹ اور انہی نے آغاز کیا تھا تم پر

مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

(زیادتی کا) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے ۲۰ (سنو!) اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ہو تم (سچے) ایماندار۔

من الدليل القطعي على صحة اصوله واستقامة فروعه (قرطبی۔ ابن العربی)۔

۱۸ ان لوگوں کو کفر کے پیشوا اور سرغنے کہا جا رہا ہے جو قبولِ اسلام کے بعد مرتد ہو گئے۔ جو اسلام کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اتنے طوطا چشم ہیں کہ اس پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ ان کی قسموں پر اعتماد کرنا یا ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آجانا بڑی سادہ لوحی ہے جو ایمانی فراست سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ان کی کھوپڑی پر جب تمہارا آہنی گرز لگے گا تو ان کو ہوش آئے گا اور وہ حقیقت شناسی کی طرف مائل ہونگے۔ کفار کی ذہنیت کا کتنا صحیح تجزیہ ہے۔

۱۹ صاحب تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ یہ آیت یہود، منافقین اور کفارِ مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک پر روانہ ہوئے تو انھوں نے حضورؐ کو مدینہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور مشرکین عرب کو اپنی اعانت کا یقین دلا کر انھیں ایک بار پھر بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی قول راجح ہے کیونکہ یہ سورۃ غزوۂ تبوک کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ وهذا اظهر لان السورة نزلت بعد غزوة التبوك (مظهری)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "ان زوردار الفاظ سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے کی وجہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر اسلام کی جس نئی پالیسی کا جو اعلان کیا گیا تھا اس سے اندیشہ تھا کہ کہیں کفر کی بچی کھچی جماعت اپنی بقا و سلامتی کے لیے اپنی ساری قوتوں اور وسائل کو داؤ پر لگا کر عرب کے اطراف و اکناف میں عام بغاوت کی آگ نہ بھڑکا دے۔ ان سے تمام معاہدوں کی منسوخی کا اعلان، کعبہ کی تولیت سے محرومی، حج کعبہ کی ممانعت وغیرہ ایسے احکام تھے جن سے ان کا بھڑک اٹھنا کوئی مستبعد نہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوشیار اور مستعد رہنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ

جنگ کرو ان سے ۲۱ عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں سے اور رسوا کریگا انھیں اور مدد کریگا تمھاری انکے

يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ

مقابلے میں اور (یوں) صحتمند کردیگا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے ۲۲ اور (یوں) دور فرمادیگا غصہ انکے دلوں کا

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ

اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے ۲۳ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے کیا تم

حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

یہ خیال کر رہے ہو ۲۴ کہ تمھیں (یونہی) چھوڑ دیا جائیگا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کرینگے تم میں سے

پھر ایسے انقلابی فرامین پر کسی قسم کے احتجاج کے ظہور پذیر نہ ہونے کی یہی وجہ تھی کہ انھیں ہر طرف مسلمان شمشیر بکف اور مستعد کھڑے دکھائی دے رہے تھے (واللہ اعلم بالصواب)

۲۰ یعنی کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تم اس لیے پہلوتہی کرنا چاہتے ہو کہ تمھیں اندیشہ ہے کہ وہ تم پر غالب آجائیں۔ اس وسوسہ کو دل سے نکال دو۔ ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ توانا ہے جس کو تم نے اپنا رب اور معبود یقین کیا ہوا ہے اور ایمان صادق کا یہی تقاضا ہے۔

۲۱ کفن بردوش میدان کارزار میں قدم رکھو گے تو اللہ کی مدد تمھاری پشت پناہی فرمائے گی۔ اس نے کفار کو ذلیل و رسوا کرنے کا جو اٹل فیصلہ فرمادیا ہے اس کا ظہور تمھارے ہاتھوں سے ہوگا۔ تمھیں کمزور اور بے بس سمجھنے والے تمھارے قدموں کی ٹھوکروں میں ہونگے۔

۲۲ کفار کے ساتھ جنگ کا حکم دے کر انھیں بتایا جارہا ہے کہ برسوں سے وہ تمھیں ستا رہے ہیں اور تمھارے دل ان کی ایذا رسانیوں سے داغ داغ ہیں۔ اب وقت ہے کہ تم کفر و فسق کے ان علمبرداروں پر ضرب کاری لگا کر ان کی نخوت کو خاک میں ملا دو۔ اسلام کی فتح اور کفر کی ذلت دیکھ کر تمھارے دل باغ باغ ہو جائیں گے اور تمھارا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور انتقام کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں وہ سرد پڑ جائیں گے۔

۲۳ اب تک جو کفر سے چمٹے ہوئے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن پر رحمت خداوندی جب توجہ فرمائیگی تو ان کے دلوں کے قفل بھی کھل جائیں گے اور وہ مستقبل میں اسلام کے جانباز سپاہی ثابت ہوں گے۔

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جنھوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے (کسی کو اپنا)

وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ

محرم راز۔ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ نہیں ہے روا مشرکوں کے لیے

اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ

کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو ۲۵ حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا

یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال۔ اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی

يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ

آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور قائم کیا

۲۴ جہاد کو گراں سمجھنے والوں اور اس سے جی چرانے والوں کو بطور زجر و توبیخ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا تم یہ گمان کر رہے ہو کہ تمہارا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہوگا اور کسی آزمائش سے تمہارے اس دعویٰ ایمان کو پرکھا نہیں جائے گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود فریبی میں مبتلا ہو۔ خوب کان کھول کر سن لو عمل کی کسوٹی پر تمہارے ظاہر اور باطن کو پرکھا جائے گا۔ جب جہاد کے نقارہ پر چوٹ پڑے گی تو تمہیں سرکبف میدان میں حاضر ہونا ہوگا۔ اسلام کے مفاد کے لیے اپنے سابقہ تعلقات اور دوستانہ مراسم کو قربان کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل اسلام کے ساتھ اپنے دلی تعلقات کو استوار کرنا ہوگا۔ علم کا معنی یہاں جاننا نہیں بلکہ جتانا اور پہچان کروانا ہے۔ اس کی تحقیق کئی مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ ولیجہ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے دلی راز کہہ سکے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے یہی لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ فولیجة الرجل من یختص بدخلة امرہ دون الناس والواحد والجمع فیہ سواء (قرطبی)۔

۲۵ مسجدیں محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں خصوصاً مسجد حرام جس میں کعبہ مقدسہ ہے۔ اس لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ان کی تعمیر، ان کی مرمت، ان کی آبادی اور ان کے دوسرے انتظام کا متولی کفار اور مشرکین کو بنایا جائے۔ اس آیت کریمہ نے اس امر کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور اس حکم سے حرم کعبہ جو سالہا سال کفار و مشرکین کی تولیت میں تھا

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ

نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ

اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے ۲۶ کیا تم نے ٹھیرا لیا ہے ۲۷ حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ

اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور جہاد کیا

مسلمانوں کو اس کا متولی بنا دیا گیا۔ فاقتضت الآیۃ منع الکفار من دخول المسجد و من بنائھا و تولی مصالحھا و القیام بھا (جصاص)، آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کافر نہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں نہ اس کو تعمیر کر سکتے ہیں نہ اس کے متولی بن سکتے ہیں۔

۲۶ مساجد کے متولی اور منتظم وہی لوگ بن سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقین محکم رکھتے ہوں اور عملی اعتبار سے وہ نماز اور زکوٰۃ کے پورے پورے پابند ہوں اور ان کے کردار کی بلندی کا یہ عالم ہو کہ دین کے معاملہ میں وہ کسی سے خوفزدہ نہ ہوں اور رضاءِ الٰہی پر کسی کی خوشنودی کو ترجیح نہ دیں۔ عمارتِ مسجد میں اداءِ نماز، ذکرِ الٰہی اور تعلیم قرآن کے علاوہ اس کی تعمیر، اس کی مرمت، اس کی صفائی اور روشنی سب داخل ہیں وعمارتھا تزیینھا بالفرش وتنویرھا بالسرج و ادامۃ العبادۃ والذکر ودرس العلم فیھا وصیانتھا عما لم یبن لہ (بیضاوی)

۲۷ میدانِ بدر میں جب حضرت عباس اسیر ہوئے تو کسی نے ان کو اسلام قبول نہ کرنے پر ملامت کی۔ انھوں نے کہا اگر تمھیں اسلام لانے اور جہاد کرنے کا فخر ہے تو ہم بھی تم سے کم نہیں۔ مسجد حرام کی آبادی، کعبہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو پانی پلانے کی عزت تو ہمیں ہی حاصل ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ شرک کی موجودگی میں تمھاری یہ باتیں ان لوگوں کے اعمال کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا سکہ جمانے کے لیے سربکف میدانِ جہاد میں آموجود ہوتے ہیں۔ الفاظ آیت سقایۃ اور عمارۃ مصدر ہیں۔ اگر یہ اسم فاعل کے معنی میں یہاں مستعمل ہوں تو کلام میں کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ معنی ہوگا کہ حاجیوں کو پانی پلانے والا اور مسجد کو آباد کرنے والا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور جہاد کرے۔ اور اگر مصدر اپنے مصدری معنی میں ہی مستعمل ہو تو پھر کلام میں حذف ماننا پڑے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو مشبہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیرِ کلام ہوگی اجعلتم اھل سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام اور یا مشبہ بہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیرِ کلام ہوگی اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کایمان من امن باللہ وجھاد من جاھد۔ (مظہری۔ قرطبی، بیضاوی)۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اس نے اللہ کی راہ میں وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ

ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ

نزدیک ۲۸ اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ۲۹ خوشخبری دیتا ہے انھیں ان کا رب اپنی رحمت

۲۸ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کی خدمتگزاری اور مسافروں کی مہمان نوازی کو اسلام سے روگردانی کرنے کی صورت میں اپنی نجات کے لیے کافی سمجھنے والے کان کھول کر سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے بغیر اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس کی بارگاہِ عالی میں تو انہی کے لیے اعزاز و اکرام کے رتبے ہیں جو ایمان، ہجرت اور جہاد کی صفات سے متصف ہیں

۲۹ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں رحمتِ الٰہی اور رضاءِ خداوندی کی نوید جانفزا سنائی جا رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد اور رہ ہی کیا جاتا ہے جس کے حصول کی تمنا دل میں پیدا ہو۔ اللھم اجعلنا منھم بجاہ حبیبک المکرم سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ ان صفات سے پوری طرح متصف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام تھے جنھوں نے کفار کی سفاکیوں اور سنگدلانہ جور و ستم کا بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا جنھوں نے محض اپنے دین کی خاطر اپنے شاد آباد گھروں کو چھوڑ کر غریب الوطنی کی سختیوں اور پریشانیوں کو خوش آمدید کہا جنھوں نے میدانِ جہاد میں عدیم المثال سرفروشی اور جانبازی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ کفر کے علم سرنگوں ہو گئے۔ کفار کے چھکے چھوٹ گئے اور اسلام کا آفتابِ اقبال ہر سو ضیاء پاشیاں کرنے لگ گیا۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے بارے میں قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ بارگاہِ رب العزت میں ان کے درجات بڑے بلند ہیں۔ اپنے رب کی راہ میں اپنے گھر، اپنے سر اور اپنا مال و متاع قربان کرنے والے دیوانگانِ عشق کے سروں پر فوز و کامرانی کا زرنگار تاج سجایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے جس سے کسی کے دل کا راز بھی پوشیدہ نہیں، جس کے سامنے ہر شخص کا ماضی، حال اور مستقبل آشکارا ہے، جن لوگوں کے بارے میں اس کی زبانِ قدرت شہادت دے رہی ہے واُولٰئک ھم الفائزون الخ ان کے بارے میں چہ میگوئیاں، ان کے ایمان پر اعتراض کسی ایسے شخص کو تو ہرگز

مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ

اور اپنی خوشنودی کی اور (ایسے) باغات کی کہ ان کے لیے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

وہ اس میں تا ابد۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجرِ عظیم ہے۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

نہ بنا لو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

کفر کو ایمان پر ۳۰ اور جو دوست بناتا ہے انھیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ

کرنے والے ہیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور

اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ

تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو ۳۱ زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے

زیب نہیں دیتے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتا ہے اور اللہ کو علیم و خبیر یقین کرتا ہے۔

۳۰ دارِ کفر کو چھوڑ کر دارِ اسلام کی طرف ہجرت کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی رشتہ داریاں ہی تو تھیں جن کی محبت اور خاطر داری کی وجہ سے انسان اس فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہ جاتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ کسی سے خواہ وہ تمہارے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں ایسی دلی دوستی قائم نہ کرو جو کسی وقت حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں حائل ہو۔

۳۱ اس آیت کریمہ میں ہر طرح کے بندھنوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن میں انسان اپنے آپ کو اپنی فطرت اور ضرورت

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم ۳۲

کے باعث بندھا ہوا پاتا ہے۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے اور اولاد کی اپنے ماں باپ سے، بھائی بہنوں کی باہمی اُلفت میاں بیوی کا گہرا تعلق یہ سب انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ مال، کاروبار اور مکانات وغیرہ سے انسان کا لگاؤ اس لیے ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے اور اسے عزت و آرام سے گزارنے میں ان کا محتاج ہے۔ دین اسلام کیونکہ دینِ فطرت ہے وہ انسان کے طبعی تقاضوں اور اس کی ضروریات کا مناسب خیال رکھتا ہے اس لیے اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ سرے سے یہ محبت کے رشتے توڑ ڈالے جائیں اور ان چیزوں کی طرف سے بالکل توجہ ہی ہٹالی جائے لیکن کیونکہ انسانی زندگی کی غرض و غایت صرف انہی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے بہت آگے اور بہت بلند ہے اس لیے انسان کو انہی تعلقات اور انہی اشیاء میں کھو جانے سے روکا ہے اور حکم دیا کہ بیشک ان اشیاء سے محبت و پیار کرو لیکن صرف اس حد تک جبکہ یہ چیزیں تمہاری روحانی ترقی میں حائل نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم کی محبت اور عشق سے نہ ٹکرائیں۔ ایثار و شہادت کے میدان میں جانے سے تمہارا راستہ نہ روکیں۔ اگر کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر ان تعلقات کو اور ان چیزوں کو پاتے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ تب تم اپنے آپ کو ایماندار کہلانے کے حقدار ہو۔ بعض علماء نے یہاں محبت طبعی اور اختیاری کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک انسان کا اختیار ہے وہ اللہ اور رسول سے زیادہ محبت کرے اور اگر بلا اختیار وہ کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو حرج نہیں۔ لیکن حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی کیا ہے جس کی طبیعت شریعت اسلامی کی پابند نہ ہو۔ قلت وكمال الايمان ان يكون الطبيعة تابعة للشريعة فلا يقتضي الطبع الا ما يامره الشريعة۔ چنانچہ حدیث پاک میں بھی صراحۃً موجود ہے کہ جب تک اللہ کا رسول ماں باپ، اولاد اور ہر چیز سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو اس وقت تک انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين۔ اس کے بعد علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ نعمت بجز اولیاء کاملین کی صحبت کے نصیب نہیں ہو سکتی۔ وذالك كمال الايمان لا يكتسب ذلك الا من مصاحبة ارباب القلوب الصافية والنفوس الزاكية وهذه الاية وما ذكرنا من الاحاديث يوجب افتراض اكتساب التصوف من خدمة المشائخ رضي الله عنهم اجمعين (مظہری)۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کا لطف ہی تب آتا ہے جب دل میں اللہ اور اس کے رسول کا عشق شعلہ زن ہو۔ اس وقت یہ ساری زنجیریں خود بخود پگھل جاتی ہیں اور سارے حجاب تار تار ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کے تڑپتے ہوئے لاشے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں۔ عورتیں اپنے شوہروں کے سر بریدہ جسم دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور بہنیں دعائیں مانگتی ہیں کہ اے الٰہ العلمین ہمارے ماں جائے کو شہادت نصیب فرمانا۔ اس وقت نہ رات کو نیند ستاتی ہے اور نہ دن کو تھکن محسوس ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ کے یہ شعر پڑھیے اور اہلِ عشق و محبت کی بے تابیاں

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔ بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

جنگی میدانوں میں ۳۳ اور حنین کے روز بھی ۳۴ جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہاری کثرت نے پس نہ

ملاحظہ فرمائیے: ؎

احبك حبين حب الهوى — وحبا لانك اهل لذاكا

فاما الذى هو حب الهوى — فشئ شغلت به عن سواكا

واما الذى انت اهل له — فكشفك لى الحجب حتى اراكا (النار)

ترجمہ: (۱) اے مولا! میں تجھ سے دوہری محبت کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے۔ دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ (۲) پہلی محبت نے تو مجھے ماسوا سے بے خبر کر دیا ہے۔ (۳) دوسری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حجاب سرک جائیں اور چشم شوق لذت دید حاصل کرلے۔

۳۲ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور راہِ حق میں جہاد کرنے سے زیادہ تمہیں کوئی چیز عزیز اور پیاری ہے تو پھر عذاب الٰہی کا انتظار کرو۔ اب تم رحمت و عنایت کے مستحق نہیں رہے بلکہ ناراضگی اور عتاب کے سزاوار ہو گئے ہو۔

۳۳ سورۃ براءۃ کے اعلان سے جو حالات پیدا ہو گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ کفار پھر ایک بار سب مل کر جان کی بازی لگا دیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں سے ایسے وسوسے دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ جس خدا نے اس سے پہلے بے شمار موقعوں پر تمہاری دستگیری فرمائی ہے اور تمہاری قلیل تعداد کو دشمن کی کثرت پر فتح دی ہے اس کی نصرت آج بھی تمہارے ساتھ ہے۔ کل ہی کی بات یاد کرو حنین میں کس طرح تمہاری پسپائی کو اس کی نصرت اور اعانت نے فتح مبین میں تبدیل کر دیا۔ آج بھی اسی پر توکل کرو اور دشمن کی کسی سازش سے مت گھبراؤ۔

۳۴ مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے اور کفر و شرک کا محکم حصار پیوند خاک کر دیا جاتا ہے۔ پندرہ دن تک مسلمان امن و سکون سے مکہ میں ٹھیرے رہتے ہیں اور طواف کعبہ کی حسرتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر جرار کے ساتھ ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دس ہزار انصار و مہاجر تھے اور دو ہزار مکہ کے نومسلم بعض مشرک بھی شریک ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے جب بارہ ہزار کا لشکر جرار دیکھا تو بعض نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ آج کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ جب یہ لشکر حنین کی وادی میں پہنچا جو مکہ کے جنوب مشرق کی طرف صرف تین میل دور ہے تو مالک بن عوف کی قیادت میں ہوازن و ثقیف

تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ

فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے - پھر تم

وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ

مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے - پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ

اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں

كَفَرُوْا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ

کو - اور یہی سزا ہے کافروں کی ۳۵ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد

کے ماہر تیر انداز تنگ وادی کی کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ رہے جب مسلمان ٹھیک ان کی زد میں آگئے تو مالک نے تیر برسانے کا حکم دیا تیروں کی بے پناہ اور غیر متوقع بارش سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انھوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا حضور کریم کی معیت میں صرف ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، ابوسفیان بن الحارث اور چند اور جاں نثار رہ گئے۔ اس نازک حالت میں حضورؐ کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی۔ سفید خچر پر سوار تھے۔ اسے ایڑی لگائی اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھایا۔ حضرت عباسؓ نے باگ تھام رکھی تھی اور ابوسفیان بن الحارث نے رکاب پکڑی ہوئی تھی۔ حضورؐ فرما رہے تھے انا النبی لا کذب - انا ابن عبد المطلب - اسی حالت میں حضورؐ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کی طرف پھینکی۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں نہ پڑی ہو۔ آسمان سے فرشتوں کا غیر مرئی لشکر بھی اتر آیا۔ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضورؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے بلند آواز میں مہاجرین اور انصار کو پکارا: یا معشر الانصار الذین آووا ونصروا یا معشر المہاجرین الذین بایعوا تحت الشجرۃ ان محمدا حی فھلموا ترجمہ: اے گروہ انصار! جنھوں نے غریب الدیار مہاجرین کو پناہ دی اور نازک اوقات میں اسلام کی امداد کی۔ اے گروہ مہاجرین، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں، سب ان کے پاس جمع ہو جاؤ۔

آواز سنتے ہی صحابہ پروانہ وار دوڑے چلے آئے اور حضورؐ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اہل اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

۳۵ یعنی کفار کی یقینی فتح رسوا کن شکست میں بدل گئی۔ ستر آدمی قتل ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں قید ہوئے۔

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

جس پر چاہے گا ۳۶ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو!

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۳۷ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس

فقط عورتوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ۲۴ ہزار اونٹ، تیس ہزار بھیڑیں اور بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی ذٰلك کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ کفار کا طبعی انجام یہی ہے کہ ان کو ہر میدان میں شکست کا سامنا کرنا پڑے اور قیامت کے ابدی عذاب سے پہلے دنیا میں ہی وہ اپنے کیے کی سزا بھگت لیں۔

۳۶ حنین کی فتح کے بعد طائف کا محاصرہ کیا گیا جو اٹھارہ روز تک جاری رہا اس کے بعد حضور کریم جعرانہ کے مقام پر واپس تشریف لائے جہاں سارا مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تھا اور اس کو حکم خداوندی کے مطابق تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد ہوازن کا ایک وفد جو مشرف باسلام ہو چکا تھا حاضر خدمت ہوا اور رحمت و شفقت کا خواستگار ہوا حضورؐ نے فرمایا میں نے اتنے روز اس مال کی تقسیم میں تاخیر کی لیکن تم نہ آئے۔ اب مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اب دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو۔ اہل و عیال یا مال و اسباب۔ انھوں نے عرض کی ہم مال و اسباب کے طلبگار نہیں۔ ہمارے اہل و عیال واپس فرما دیجیے۔ چنانچہ حضورؐ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں ہم نے انھیں اختیار دیا ہے کہ چاہے مال و اسباب لے لیں چاہے اہل و عیال آزاد کرا لیں۔ انھوں نے اہل و عیال کو آزاد کرانا پسند کیا ہے اس لیے ان کے جو اسیر میرے حصہ میں اور عبدالمطلب اور ہاشم کی اولاد کے حصہ میں آئے ہیں میں انھیں آزاد کرتا ہوں۔ اپنے آقا و مرشد کا ارشاد سن کر سب انصار و مہاجر بیک زبان عرض پرداز ہوئے اما ما کان لنا فھو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یا رسول اللہ! جو قیدی ہمارے حصہ میں آئے ہیں سب حضورؐ کی نذر ہیں۔ چنانچہ اس طرح ان دشمنوں کے اہل و عیال کو عزت و احترام سے آزاد فرما دیا۔ اس فیاضانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام سے عداوت اور عناد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ گئے اور حضور کریمؐ کی دریا دلی کو دیکھ کر اسلام کے قدیم دشمن بھی اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔ اس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۳۷ فتح مکہ کے بعد بھی مشرکین عرب حرم کعبہ میں داخل ہوتے اور اپنے جاہلانہ رواج کے مطابق طواف کرتے اور ارکان حج بجا لاتے۔ اس آیت نے آئندہ کے لیے ممانعت کر دی کہ کعبہ مقدسہ جو محض اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے وہاں اب مزید کسی مشرکانہ پوجا پاٹ کی اجازت نہیں ہوگی سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر برہنہ طواف کرنا اور اس قسم کی دوسری لغو رسمیں قطعاً بند ہیں۔ مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ ائمہ مجتہدین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کی نوعیت کیا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک

عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ

سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا ۳۸ تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے

فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ۳۹ ان لوگوں سے جو نہیں

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

ایمان لاتے اللہ پر ۴۰ اور نہ روزِ قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے

کوئی مشرک کسی اشد ضرورت کے بغیر کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی کافر مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا، دوسری مساجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسجد میں کافر داخل ہو سکتا ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے اور اپنی مشرکانہ رسوم ادا کرنے کے لیے داخلہ بند ہے۔ (جصاص)

۳۸ جب کفار سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا گیا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال گزرا کہ اس طرح تو تجارتی کاروبار بھی بند ہو جائے گا، ضرورت کی چیزیں نایاب ہو جائیں گی اور کھانے پینے کی اشیاء کی بھی تنگی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کی بست و کشاد میرے دستِ قدرت میں ہے یہ خوف دلوں سے نکال دو۔ حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں (اگر چاہے) فرمانے میں تعلیم ہے کہ بندے کو چاہیے کہ طلبِ خیر اور دفعِ آفات کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور تمام امور کو اسی کی مشیت سے متعلق جانے (خزائن العرفان)۔

۳۹ جب جزیرۂ عرب کے بیشتر حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور مشرکین کی طاقت ختم کر دی گئی تو اردگرد کی حکومتوں کو بھی اسلام کی روز افزوں قوت سے خدشہ پیدا ہونے لگا اور انھوں نے اسلام کو کچل دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے تاریخِ اسلام کے نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اب مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین عرب کے بجائے عیسائیوں کی فوجیں صف بستہ ہونے والی تھیں۔ اس لیے اس آیت میں اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کے قواعد و ضوابط بیان کیے جا رہے ہیں۔

۴۰ اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کی اجازت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں چار بنیادی خرابیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کا ایمان نہیں کیونکہ انھوں نے اس کے بیٹے مان رکھے ہیں۔ روزِ قیامت جو روزِ حساب ہے اس کے متعلق بھی انھوں نے من گھڑت تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ ان کی آسمانی کتابوں میں جو احکامِ الٰہی ہیں ان کو انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کی نذر کر دیا ہے جس حکم کو چاہا مان لیا اور جس کو چاہا نظر انداز کر دیا اور دینِ حق (اسلام) جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے لوگ اگر تسلط و اقتدار کے مالک بن گئے تو ظلم و تشدد کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۴ ۵ ۱۰

یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ ۴۱ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں ۴۲

لیے اگر ان کی طرف سے حملہ یا نقضِ امن کا خطرہ ہو تو ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

۴۱ اگر وہ اسلام کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ کا پُرامن شہری بن کر رہنا چاہیں تو وہ جزیہ ادا کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔ جزیہ وہ ٹیکس ہے جو کسی مملکت کے شہریوں پر عائد کیا جاتا ہے اور کتبِ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا آغاز اسلام سے پہلے نوشیرواں نے کیا تھا اور عرب کے وہ صوبے جو ایرانیوں کی عملداری میں تھے اس سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے جب یمن کے عیسائی (اہلِ نجران) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے معذرت پیش کی لیکن ساتھ ہی جزیہ ادا کرنے پر آپ سے صلح کر لی۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں یہ پہلا جزیہ ہے جو وصول کیا گیا۔ جزیہ کے عائد کرنے کی مختلف وجوہات جو علماء نے بیان کی ہیں صاحب المنار نے انھیں یکجا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ان کے قتل نہ کیے جانے کا بدلہ ہے یا ان کی حفاظت اور ان کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کرنے کا معاوضہ ہے یا وہ مساویانہ حقوق جو انھیں مملکتِ اسلامیہ کا شہری ہونے کی وجہ سے حاصل ہیں اور انھیں مذہبی اور معاشی آزادی جو دی گئی ہے یا ان کے مال و جان و آبرو کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی گئی یہ اس کا معاوضہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی خدمات سے انھیں مستثنیٰ کرنے اور ان کے مال و جان و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کا معاوضہ ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

"هذا كتاب من خالد بن وليد لصلوبا بن نسطونا وقومه انى عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة وما منعناكم رأى حميناكم فلنا الجزية والا فلا۔ كتب سنة اثنتى عشرة فى صفر"

ترجمہ: "یہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے کیا۔ میں تم سے اس بات کا معاہدہ کرتا ہوں کہ تم جزیہ ادا کرو اور ہم تمھاری حفاظت کریں۔ جب تک ہم تمھاری حفاظت کریں گے ہم جزیہ وصول کرنے کے حقدار ہیں ورنہ نہیں۔ ماہ صفر ۱۲ھ"

اس روایت سے اور اس کی ہم معنی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جزیہ اس ذمہ داری کا معاوضہ تھا جو مسلمان ان کی حفاظت اپنے ذمہ لیا کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا کہ جب کبھی مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ

اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے ۴۳ اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح

سے قاصر ہیں تو انھوں نے جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی۔ چنانچہ جنگِ یرموک سے پہلے جب مسلمانوں نے جنگی مصلحت کے پیشِ نظر حمص وغیرہ کو خالی کرنا ضروری سمجھا تو افواجِ اسلامیہ کے سپہ سالارِ عام حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے تمام ماتحت جرنیلوں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقے سے جو جزیہ اور خراج انھوں نے وصول کیا ہے وہ لوگوں کو واپس کر دیں اور انھیں بتائیں کہ تمھاری حفاظت کی ذمہ داری ہم نے قبول کی تھی جس کے عوض تم نے ہمیں یہ رقوم دی تھیں سردست ہم اس کو نبھانے سے قاصر ہیں اس لیے ہم یہ واپس کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر کامیابی بخشی تو جو معاہدہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہو چکا ہے وہ بحال رہے گا۔ اگر تم نے اسے نہ توڑا تو ہم اس کی پابندی کریں گے۔ جب وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کا یہ رویہ دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے اور وہ دعائیں مانگنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں پھر واپس لائے اور دشمن پر غلبہ نصیب کرے۔ ردکم اللہ علینا ونصرکم علیہم فلو کانوا ھم لم یردوا علینا شیئاً "اللہ تعالیٰ تمھیں ہمارے پاس واپس لائے اور تمھاری مدد فرمائے۔ اگر وہ (رومی) ہوتے تو ہمیں پھوٹی کوڑی بھی واپس نہ کرتے" یہی وہ بے مثل کردار تھا جس نے انھیں اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ عہدِ فاروقی میں ہمیں ایسے متعدد واقعات دکھائی دیتے ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ جب جزیہ ادا کرنے والوں نے جنگ میں شرکت کی تو ان کا جزیہ معاف کر دیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کس سے جزیہ لے کر صلح کی جا سکتی ہے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے جزیہ پر صلح کرنے کا حکم قرآن کریم میں ہے اور مجوس جو اہلِ کتاب نہ تھے ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جزیہ قبول فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کفار سے خواہ وہ اہلِ کتاب نہ ہوں جزیہ لیکر صلح کر لینا شرعاً جائز ہے بجز عرب کے بت پرستوں کے کہ ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں، اسلام یا تلوار۔ مولانا آزاد نے یہاں خوب لکھا ہے: "باقی رہے مشرکینِ عرب، تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ سورۃ براءۃ کے نزول کے بعد تمام مشرکینِ عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمتِ الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیتِ عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے" لیکن جو قبیلے یا اہلِ ملک جزیہ ادا کرنے پر صلح کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے تمام افراد پر بلا استثناء جزیہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے بلکہ عورتیں، بچے، بوڑھے، لنگڑے، اپاہج وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ولذلک قال اصحابنا ان من لم یکن من اھل القتال فلا جزیۃ علیہ فقالوا من کان اعمیٰ او زمناً او مفلوجاً او شیخاً کبیراً فانیاً وھو موسر فلا جزیۃ علیہ (جصاص)

۴۲ امام شافعی اپنی احکام القرآن میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں سمعتُ رجالاً من اھل العلم یقولون اصغاء ان یجری علیہم حکم الاسلام (احکام القرآن للشافعیؒ) یعنی اہلِ علم نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اسلام کے احکام ان پر نافذ کیے جائیں

۴۳ جب یہود کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں، انبیاء کو بیدریغ قتل کرنا، تورات کے احکام میں من مانی تاویلات کرنا ان کی عادت بن گئی تو خدا کا عذاب بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس نے بیت المقدس کی

ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

اللہ کا بیٹا ہے ۴۴ یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے انکے مونہوں سے نکلی ہوئی ۴۵ نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا

قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے ۴۶ ہلاک کرے انھیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔ انھوں نے بنا لیا

اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یہود کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کیا گیا اور تورات کے موجودہ نسخے بھی اس ہڑبونگ میں ضائع ہو گئے تو اس وقت حضرت عزیر جنھیں عبرانی میں عزرا (EZRA) (متوفی ۴۵۸ ق م تقریباً) کہتے ہیں نے اپنی یاد سے یہود کو تورات عہد نامہ قدیم کی املا کرادی اور کچھ مدت کے بعد جب تورات کا ایک قدیم نسخہ دستیاب ہوا تو وہ بعینہٖ اسی طرح پایا گیا جس طرح حضرت عزیر نے تحریر کرایا تھا۔ اس سے آپ کی قدر و منزلت یہود کے دلوں میں بہت بڑھ گئی اور آپ کو مجدد دین موسوی کا خطاب دیا گیا۔ اور ان میں سے بعض نے تو اتنا غلو کیا کہ انھیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ عام یہودیوں کا تو یہ عقیدہ نہ تھا صرف یہودیوں کا ایک گروہ اس کا قائل تھا جن کے نام بروایت ابن عباس یہ ہیں۔ سلام بن مشکم نعمان ابن اوفی، وشاس بن قیس و مالک بن الصیف (بحر) اور اب اس عقیدہ کے لوگ ختم ہو چکے ہیں قال النقاش لم یبق یھودی یقولہا بل انقرض (بحر وغیرہ)۔ اور جب قوم کے بعض ذمہ دار افراد کسی بات کے قائل ہوں تو وہ بات ان کی ساری قوم کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے اگرچہ ساری قوم نے وہ بات نہ بھی کہی ہو۔

۴۴ ابن اور ولد دو عربی لفظ ہیں۔ ولد تو صلبی اولاد کو ہی کہا جاتا ہے۔ ابن کا اگرچہ حقیقی معنی یہی ہے لیکن بطور مجاز محبوب اور لاڈلے کو بھی ابن کہدیتے ہیں جیسے نحن ابناء اللہ واحباؤہ میں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کی اکثریت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ ابن کا معنی (SON OF GOD) ہے لیکن بعض اس سے اس کا مجازی معنی مراد لینے لگے ہیں۔ علامہ ابن حیان فرماتے ہیں کہ جب نبوت محمدی کا نور ظہور ہوا اور ابنیت کے عقیدہ کے بطلان پر اٹل دلائل قائم کر دیے گئے اور مناظروں میں بھی عیسائیوں کو لاجواب ہونا پڑا تو لاچار ہو کر انھوں نے ابن اللہ کا یہ مجازی مفہوم (یعنی محبوب) بیان کرنا شروع کر دیا ویقال ان بعضھم یعتقدھا بنوۃ حنو و رحمۃ وھذا القول لم یظھر الا بعد النبوۃ المحمدیۃ و ظھور دلائل صدقھا و بعد ان خالطوا المسلمین وناظروھم فرجعوا عما کانوا یعتقدون فی عیسیٰ (بحر المحیط)

۴۵ علماء معانی نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قول کے ساتھ فم (منہ) یا لسان (زبان) مذکور ہے وہاں اس کا معنی غلط اور بے سروپا بات ہے یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں یونہی تک بازی اور زبانی باتیں ہیں۔

۴۶ یضاھئون کا معنی ہے یشابھون۔ اسی وجہ سے اس عورت کو بھی ضہیاء کہتے ہیں جس میں انوثت کی علامات

أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ

اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر ۴۷ اور مسیح فرزند

مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

مریم کو بھی۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی۔ نہیں کوئی خدا بغیر اس کے

سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ

وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں ۴۸ (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ) بجھا دیں اللہ کے نور کو ۴۹

نہ پائی جاتی ہوں اور وہ اپنے چہرہ مہرہ سے مردوں کی شکل دکھائی دے۔ آیت کے ان الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہودی اور عیسائی جو حقیقت میں توحید کے علمبردار تھے ان میں مشرکانہ نظریات سرایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اردگرد جو مشرک قومیں آباد تھیں وہ خدا کو مجسم چیز مانتی تھیں۔ اور دوسری اشیاء میں اس کے حلول کی قائل تھیں مثلاً یونان کے فلسفی، ان سے یہ لوگ متاثر ہوتے اور ان کے مشرکانہ نظریات کو بڑی فراخدلی سے اپنے دین توحید میں داخل کر لیا۔ یہودی اور عیسائی مذہب کس طرح یونانی، رومی اور مصری فلسفیانہ نظریات سے متاثر ہوا، یہ اب کوئی راز نہیں رہا خود یورپ کے محققین نے اس پر سیر حاصل کتابیں لکھ کر قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید کر دی ہے۔

۴۷ أحبار جمع ہے حبر کی۔ اہل تفسیر اسے حَبر (بالفتح) اور اہل لغت اسے حِبر (بالجر) پڑھتے ہیں لیکن فراء نے کہا ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے۔ الکسر والفتح لغتان۔ اس کا معنی ہے جید عالم جو بڑی عمدگی اور سلیقہ سے بات کر سکے وھو الذی یحسن القول و ینظمہ و یتقنہ بحسن البیان عنہ (قرطبی)۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رھبۃ بمعنی خوف سے ماخوذ ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے اپنی ساری زندگی اس کی عبادت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔

۴۸ حضرت عدی بن حاتم پہلے عیسائی تھے۔ اب انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو انھیں رب نہیں مانتے۔ قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر دیتے تو کیا تم ان کی ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ عدی نے عرض کی کہ ایسا تو ہم کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا یہی ان کو رب ٹھیرانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اگر کوئی حرام کر دے یا ان کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے تو اس نے گویا تشریع و قانون سازی جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جن لوگوں نے اس کی ان باتوں کو مان لیا۔ گویا انھوں نے اس کی خدائی کو تسلیم کر لیا۔

۴۹ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسلام کے اس روشن چراغ کو بجھانے کی کتنی کوششیں کی گئیں یہودیت عیسائیت

بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

وہی (قادر مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تمام دینوں پر ۵۰ اگرچہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مشرکوں کو۔ اے ایمان والو!

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ

بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

ناجائز طریقہ سے ۵۱ اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہِ خدا سے ۵۲ اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں ۵۳

اور شرک و کفر نے سر جوڑ جوڑ کر علانیہ مقابلے بھی کیے اور سازشوں کے خطرناک جال بھی بچھائے لیکن اسلام کا نور درخشاں ہی رہا اور رہے گا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی ہی رہی اور بڑھتی ہی رہے گی۔ خداوند عالم کا یہ وعدہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت نبوت مصطفوی کے آفتاب جہاں تاب کو گرہن نہیں لگا سکتی۔

۵۰ جہاں تک دلیل و برہان کا تعلق ہے اسلام کا غلبہ تمام دوسرے مذاہب پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مسلم رہا ہے اور جب کبھی ملت اسلامیہ نے احکام الٰہی کو صدق دل سے اپنایا تو سیاسی اقتدار بھی انہی کی کنیز بنا رہا اور جب کبھی انھوں نے احکام الٰہی پر عمل کرنے میں غفلت اور کوتاہی برتی تو ان کا سیاسی زوال بھی شروع ہو گیا۔ اور اسلام کے غلبہ کی یہ بھی ایک روشن دلیل ہے۔

۵۱ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر بنی اسرائیل کے عالموں اور راہبوں نے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال لوٹنا شروع کر دیا۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کو قرون وسطیٰ میں جو تسلط اور اقتدار حاصل رہا اس سے انھوں نے کس طرح ناجائز فائدہ اٹھایا اور کس بے دردی سے اپنے عقیدت مندوں کی دولت کو ہتھیایا اس کی روداد بڑی دلچسپ اور بڑی المناک ہے۔ کیتھولک فرقہ کا پوپ جنت کے ٹکٹ قیمتاً فروخت کیا کرتا تھا۔ اس کے نائب بھی

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ

سونا اور چاندی ۵۴ اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انھیں خوشخبری سنا دیجیے

بخشش گناہ کے پروانے لکھ کر دیا کرتے تھے اور خریدار اپنی مالی استطاعت کے مطابق اس کی قیمت ادا کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں، شہزادوں، اُمراء، وزراء اور قوم کے دولتمند طبقہ کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے اور اس طرح ان سے منہ مانگے نذرانے وصول کرتے۔ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ کرتے اس کے علاوہ اور متعدد طریقے تھے جن سے وہ دولت کے پجاری دولت جمع کرنے میں شب و روز مصروف رہا کرتے لیکن یہ چیز کبھی ذہن سے نہ اُترے کہ یہی بدکاریاں اگر اسلام کے عالم اور پیر کریں گے تو وہ بھی اسی طرح مجرم قرار دیئے جائیں گے بلکہ ان کا جرم اور زیادہ سنگین ہوگا کیونکہ وہ سید المرسلین خاتم النبیین کی آخری شریعت کے امین اور نگہبان ہیں۔

۵۲ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنی حرص کی تکمیل کے لیے یہ نازیبا حرکتیں کرتے ہیں بلکہ وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو حق قبول کرنے سے بھی متنفر کرتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھاندلی اسی وقت تک رہے گی جب تک لوگ ان کے دامِ فریب میں گرفتار ہیں اور اگر اس کے پُرزے اڑ گئے تو پھر یہ سادہ لوح ان کے قابو میں آنے کے نہیں

۵۳ اگرچہ بعض علماء نے اس آیت کو بھی اہلِ کتاب سے مخصوص کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس میں اہل کتاب اور مسلمان سب داخل ہیں جس میں یہ خرابی ہوگی وہ اس سزا کا مستحق ہوگا۔ وقال ابوذر وغیرہ المراد بہا اھل الکتاب وغیرھم من المسلمین وھو الصحیح (قرطبی)۔ کیونکہ اگر صرف اہل کتاب مُراد ہوتے تو پھر الذین کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

۵۴ کنز لغت میں اس مال کو کہتے ہیں جسے اکٹھا کر کے جمع کر دیا جائے۔ الکنز اصلہ فی اللغۃ الضم والجمع۔ اس آیت کے متعلق صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی رائے ہے کہ وہ مال جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کو جمع کر کے رکھنے کی یہی سزا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ لیکن جمہور صحابہ جن میں خلفاء راشدین بھی ہیں کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ ان الکنز اسم لمالم یؤد زکاتہ المفروضۃ (حصاص) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ سات زمینوں کے نیچے مدفون ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔ ما اُدّی زکاتہ فلیس بکنز وان کان تحت سبع ارضین ومالم تؤد زکاتہ فھو کنز وان کان ظاھرا (المنار) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ ہمایوں میں بھی مال دار صحابہؓ (حضرت عثمانؓ و عبدالرحمٰنؓ) موجود تھے اور حضورؐ نے انھیں کبھی حکم نہیں دیا کہ تم سارا مال صدقہ کر دو بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب اپنا سارا مال راہِ خدا میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضورؐ نے منع فرمایا۔ ہاں اگر صورت حال نازک ہو جائے، عام قحط سالی کا دور دورہ ہو، لوگ فاقوں مر رہے ہوں، بیت المال خالی ہو چکا ہو۔ اس وقت صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کیا جائیگا بلکہ حاکم وقت ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے زیادہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ ان حالات میں دولت کا جمع رکھنا بھی جائز

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى

دردناک عذاب کی - جس دن تپایا جائیگا ۵۵ (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

اس سے اُن کی پیشانیاں اور اُن کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انھیں بتایا جائیگا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا

اپنے لیے تو (اب) چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے - بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ

عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا

ماہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور ۵۶ زمین کو ان میں سے

اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ

چار عزت والے ہیں - یہی دین قیم ہے ۵۷ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں

نہ ہوگا ولا یجوز ادخار الذھب والفضۃ فی مثل ذلک الوقت (قرطبی)۔

۵۵ اس کی وضاحت کے لیے یہ حدیث ہی کافی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے: مامن صاحب ذھب وفضۃ لا یؤدی منھا حقھا الا اذا کان یوم القیامۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیہ فی نار جھنم فیکوی بھا جنبہ وجبینہ وظھرہ کلما بردت اعیدت لہ: جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو لیکن وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور انھیں آتش جہنم میں گرم کرکے اُس شخص کے پہلو پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے جب بھی وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی انھیں پھر گرم کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں دردناک انجام سے بچنے کی توفیق ارزانی فرمادے، آمین

۵۶ بارہ قمری مہینوں میں سال کی یہ تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں تاکہ اس میں ردوبدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سمائے یہ محکم نظام روزِ ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ان بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب، ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل

اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ

اپنے آپ پر[۵۸] اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے[۵۹] جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا[۶۰] تو اور اضافہ کرنا ہے

بھی انھیں مل جاتا تو اسے بھی کچھ نہ کہتے۔ کتاب اللہ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا قرآن حکیم۔

[۵۷] یہی محکم شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی صحیح حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انھیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔ قیّم اصل میں قیّوم تھا پھر سید کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی۔

[۵۸] احکام الٰہی سے سرتابی ہر وقت بری ہے۔ لیکن ان حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے اس لیے خصوصی طور پر ان مہینوں میں نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مقدس مقامات اور مبارک اوقات میں نیکی کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان وقوع الطاعة فی هذه الاوقات اکثر تاثیرا فی طهارة النفس ووقوع المعاصی فیها اقوی تاثیرا فی خبث النفس (کبیر)

[۵۹] اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ کافۃ کف کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع مذکر و مؤنث سب کے لیے یہی آتا ہے۔

[۶۰] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر تھیں کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ ان کا پیشہ قزاقی، رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا۔ تین ماہ تک متواتر ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا ان کے لیے ناقابل برداشت تھا اس لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر لیا اور اس میں جی بھر کر قتل و غارت کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینہ کو حرام کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی چار رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز حج علاوہ ایک عبادت کے ان کے لیے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دور دراز سے تجارتی قافلے آتے جس سے انھیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ کیونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لیے یہ ایسے موسم میں بھی آتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور انھیں دلخواہ نفع نہ ہوتا۔ اس مشکل کا حل انھوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ

کفر میں گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں

عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ

اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کریں جسے حرام کیا

لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ ع

ہے اللہ نے ٦١ آراستہ کر دیئے گئے ہیں انکے لیے انکے برے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کیے ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تمہیں کہ نکلو راہِ خدا میں ٦٢

کیا جاتے اس کے لیے انھوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیا اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں ٩ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں ردوبدل کر لیا کرتے تھے اس لیے ان کے اس فعل کو زیادۃ فی الکفر کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ ١٠ھ میں جب رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی حج ٩ ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس کے لیے مقرر فرمائی تھیں۔ اس میں مسلمانوں کے لیے بھی درسِ عبرت ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کے لیے احکام الٰہی میں ردوبدل نہ کریں۔ نسا کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دینا۔ قال الجوھری النسیٔ فعیل بمعنی مفعول من قولک نسأت الشیٔ فھو منسوء اذا اخرتہ (قرطبی)۔

٦١ یہی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ انسان گناہوں کو ثواب اور مضر چیزوں کو نفع رساں سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے اور یہ شیطان کا وہ دامِ فریب ہے جس سے توفیقِ الٰہی کی یاوری کے بغیر کوئی بچ نہیں سکتا۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

٦٢ جب غزوۂ طائف وحنین سے فارغ ہو کر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے تو شام سے اطلاعیں آنے لگیں کہ قیصرِ روم

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا

سو نہیں ہے سروسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل ۔ اگر تم نہیں نکلو گے ۶۳

اپنے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے اور غسان کا بادشاہ جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا وہ بھی اس کے ہمراہ ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہاں انتظار کرنے کے بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا عزم فرما لیا اور مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ پکی ہوئی کھجوروں کے نظر فریب خوشے لٹک رہے تھے ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔ ان حالات میں اتنی طویل مسافت طے کر کے جانا اور ایک منظم اور مسلح لشکر سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ منافق تو سب کے سب جھوٹے بہانے بنا کر الگ ہو گئے۔ بعض مسلمانوں کو بھی ابتداء میں یہ سفر بہت مشکل نظر آیا۔ اس وقت ربِ ذوالجلال نے اس پُر جلال انداز میں جہاد کی دعوت دی جس سے اہلِ ایمان کی آنکھیں کھل گئیں سستی اور کاہلی کافور ہو گئی اور سب کے سب (باستثناء تین) سربکف اپنے محبوب رسول کی قیادت میں قیصر کی افواجِ قاہرہ کو للکارنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ انفروا کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ منتقل ہونا انفروا انتقلوا بسرعة من مكان الى مكان لامر يحدث۔ اور اثاقلتم کا معنی ہے بوجھل ہو جانا اس میں بھی زجر و توبیخ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ راہِ جہاد میں تمہارے قدم نہیں اُٹھ رہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بوجھ لدے ہوا اور زمین پر گرا چاہتے ہو۔

۶۳ دعوت جہاد قبول نہ کرنے پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی اگر تم جذبہ سرفروشی سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں نہ نکلے تو تمہیں دنیا و آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دُنیا میں تمہاری عزت و دبدبہ خاک میں مل جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے جاؤ گے یہی سزا کچھ کم نہ تھی لیکن اس کے بعد جس چیز کا ذکر ہو رہا ہے وہ تو اس سے بھی سنگین ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے جو تمہیں اپنے دینِ متین کی خدمت کی سعادت اور اپنے محبوب رسول کی غلامی کا شرف عطا فرمایا ہے اس سے محروم کر دیے جاؤ گے اور کسی اور قوم کو یہ خدمت تفویض کر دی جائے گی۔ اللہ اکبر! اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکامِ خداوندی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والی اُمت! سن رہے ہو اس ربِ ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ اگر اس نے اپنی بارگاہِ رضا و قرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی زرتار قبا اُتار لی، اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے ؎ ہجر کی رات کاٹنے والو کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

تو اللہ عذاب دیگا تمہیں دردناک عذاب۔ اور بدل کرلے آئیگا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا

شَيْئًا ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ

کچھ ۶۴ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم مدد نہ کروگے رسول کریم کی ۶۵ تو (کیا ہوا) انکی

اے اہل سنت وجماعت کے رہنماؤ! ہماری صفوں کا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا۔ شمع توحید و رسالت کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے؟ اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی؟ دلوں کے اُداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کروگے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مصطفیٰ کریم کی خوشنودی کے لیے اسلام کی سربلندی کے لیے سب ایک ہو جاؤ۔ اپنی ذات، اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو۔ اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو، بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو جو آپ کے خواجگانِ طریقت علیہم الرضوان کا اُسوہ تھا۔

۶۴ دین اسلام کی خدمتگذاری تمہیں پر موقوف نہیں، اسلام کا نور تو ہمیشہ فروزاں رہے گا اور اس کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔ یہ کام اگر تم نے نہ کیا تو کوئی دوسرا یہ سعادت حاصل کرلے گا اور تمہیں محروم کر دینے سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔

۶۵ اس آیت پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کرکے بتایا کہ اگر تم اس کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا ناصر اور معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلس شوریٰ میں طے کرلیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور کریم کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ باہر نکلنے لگیں تو سب یک بارگی حملہ کرکے حضور کو شہید کر دیں۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیب! صدیق کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کو سدھارو۔ وامرك ان تستصحب ابابكر (تفسیر حسن عسکری) حضور نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضور باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیتیں وجعلنا من بين ايديهم سدا الخ تک پڑھ کر ان پر دم کیا ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور حضور بخیر و عافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہ ثور کے ایک غار میں آکر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا۔ صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہو سکتا تھا حضرت صدیق پہلے خود اندر گئے۔ غار کو تمام خس و خاشاک سے صاف کیا۔ جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھدی اور عرض کی

اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غارِ ثور میں تھے

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے

کہ حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضور تشریف لائے۔ صدیق کے زانو پر سرِ مبارک رکھا اور استراحت فرما ہو گئے۔ صدیق کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا بیتاب نگاہیں اور بیقرار دل اپنے محبوب کے رُوئے زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں۔ وہ حسن سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشمِ فطرت کو تصویرِ حیرت بنا دیا تھا آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بختِ صدیق کی رفعتو! تم پر یہ خاکِ پریشان قربان اور یہ قلبِ حزیں نثار! اسی اثناء میں حضرت صدیق کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوتی ہو۔ حضور بیدار ہوئے، اپنے یارِ غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہو گئی۔ اہلِ مکہ تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابوبکرؓ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے مُنہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہو گئے، اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر انھوں نے جھک کر دیکھا تو یہیں پالیں گے۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا ابابکر ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔ اے ابوبکر! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ نبی کی قوتِ یقین ملاحظہ ہو۔ یہ ہے توکل علی اللہ کا وہ مقام جو شانِ رسالت کے شایاں ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے اطمینان و تسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیبِ مکرم پر نازل فرمائی اور حضور کے صدقے حضرت ابوبکرؓ پر بھی اس کا ورود ہوا جس سے ان کی ہر طرح کی پریشانی دُور ہو گئی۔ حضور تین دن تک وہاں قیام فرما رہے۔ حضرت اسماءؓ حضرت صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی آ کر کھانا پہنچا جاتیں۔ آپ کے صاحبزادے ہر روز کی نئی خبریں دے جاتے اور آپ کا چرواہا عامر بن فہیرہ رات کو ریوڑ لے آتا اور تازہ دودھ پیش کرتا۔ حضرت صدیقؓ کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابلِ اعتماد تھے کہ کسی نے راز کو افشاء نہ کیا اور گراں قدر انعام کا لالچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ للچا سکا۔ کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی بلند ہو گئی۔

سطورِ بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیت کی تشریح کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالبِ حق کے لیے

اس آیت کا ہر کلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے اور حضور کے یارِ غار کے لازوال صدق اور بے مثال وفا کا شاہد عادل ہے لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص عقل سے فہم زبان سے اعتراف حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے مناسب تو یہ تھا کہ ضیاء القرآن کے صفحات ایسے بے معنی مباحث سے پاک رہتے لیکن محبت اہل بیت کی آڑ میں قصر اسلام کو منہدم کرنے کی جو ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ان باتوں کو بھی زیر بحث لایا جائے تاکہ سادہ لوح عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر متاعِ ایمان کو گم نہ کر بیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے جنون میں آیتِ طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اس آیتِ طیبہ کو پیش کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ کو سفر ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابوبکرؓ نے رفاقت کی ہوتی تو اسے وجہ شرف کہا جا سکتا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہو لیے تھے اور حضورؐ نے اس لیے اُن کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کریں اور اس طرح گرفتار کرا دیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا جب کفار قبائل کے نوجوان حضورؐ کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضورؐ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابوبکرؓ کو کس نے آگاہ کیا یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا علی مرتضیٰ نے اگر حضورؐ نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو حضرت صدیقؓ پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علیؓ نے آگاہ کیا تو ماننا پڑیگا کہ آپ کو بھی حضرت صدیقؓ کے صدق و وفا پر پورا بھروسا تھا اس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے (العیاذ باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علیؓ کی وفاداری بھی مشکوک ہو جاتی ہے یعنی آپ نے اس راز کو افشا کر کے حضورؐ کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کر دیا اور اس لایعنی بات کو کوئی ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسولِ خدا کو اور شیرِ خدا کو مکمل اعتماد ہے۔ اسی لیے ان کو اس راز سے آگاہ بھی کیا گیا اور شریکِ سفر ہونے کی سعادت بھی ارزانی فرمائی گئی۔ جب حضرت صدیقؓ کے ایمان کی گواہی علیم بذات الصدور خدا نے دی اور نبی کریمؐ نے دی اور علی مرتضیٰؓ نے تصدیق کی، اگر آج کا بے عمل مسلمان صدیق اکبر پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے، صدیق اکبرؓ کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء نے اُن کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

پس پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شب پنجشنبہ در شہر مکہ امیر المومنین را بر جائے خود میخوابانید، و خود از خانۂ ابوبکر در رفاقتِ او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود۔

ترجمہ:۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو مکہ مکرمہ میں امیر المومنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔

مصنف عمدۃ حیدری، علامہ باذل نے واقعۂ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔ شاید ان دوستوں کے لیے سُرمۂ چشم بصیرت کا کام دے۔

چنیں گفت راوی کہ سالارِ دیں — چوں سالم بحفظ جہاں آفریں
زنزدیک آں قوم پُر مکر رفت — بسوئے سرائے ابوبکر رفت

راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

پئے ہجرت او نیز آمادہ بُود — کہ سابق رسولش خبر دادہ بُود

حضورؐ نے انہیں سفرِ ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ سازوسامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔

نبیؐ بر درِ خانہ اش چوں رسید — بگوشش ندائے سفر در کشید

نبی کریمؐ جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی ندا سُنی۔

چوں بوبکر ازاں حال آگاہ شُد — زخانہ بروں رفت و ہمراہ شُد

حضرت ابوبکرؓ جب اس حال سے خبردار ہوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضورؐ کے ہمراہ ہو گئے۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حضرت صدیقؓ کو اپنے ہجرت کے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہوا تھا کہ وہ بھی اس سفر میں ہمرکاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضورؐ کفار کے محاصرے سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیقؓ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری کی روایت پیش خدمت ہے امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویلِ باطل کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضورؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا، کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغام الٰہی بھی گوش گزار کیا وَ اَمَرَکَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَابَکْرٍ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پُرخطر سفر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

کیا اب بھی آپ قاضی نور اللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکری کے ارشاد کو تسلیم کریں گے۔

(۲) معترضین کی کج ادائی کے کرشمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابوبکر کو حضور

ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوصِ نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا اس لیے حضرت ابوبکرؓ کا سفرِ ہجرت میں ہمرکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعثِ فضیلت نہیں۔

یا سبحان اللہ! اس ندرتِ فکر کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنبھا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو ایک کامیاب تاجر ہے جس کے پاس مال و ثروت کی فراوانی ہے جسے ہر قسم کی عزت و آسائش میسر ہے، بچے ہیں، بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرا کر ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں عرب کا بچہ بچہ اس کے خون کا پیاسا ہے، خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آ رہے ہیں جو شخص ان سنگین حالات میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی سنگت اختیار کرتا ہے اس کے خلوصِ نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے

مزید برآں غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے اس عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سرِ شام حاضر ہوتا ہے اور اہلِ مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر ریوڑ چراتا ہے شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آ کر ڈیرا جماتا ہے، دودھ دوہتا ہے اسے گرم کرتا ہے اور خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے ابوبکرؓ کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمتگزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضورؐ کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضورؐ کی تلاش میں اس علاقہ کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں، حتیٰ کہ زرخرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب بخیر و عافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کی حسنِ نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہِ حق میں کبھی کانٹا تک چبھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

پھر کہتے ہیں کہ لغتِ عرب میں صاحب کا معنیٰ ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف و فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی اور ہمنشین ہو سکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ (۱۸ : ۳۸)

یعنی "جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔"

اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مراد کافر ہے۔

سورۂ یوسف میں يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ "اے قید خانہ کے دو ساتھیو" (۱۲ : ۴۲)

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہل عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب (ساتھی) کہہ دیا کرتے۔

ان الحمار مع الحمار مطیۃ

واذا خلوت بہ فبئس الصاحب

اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف "صاحب" کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت و شرف سے محروم ہو جائیں گے۔ ایمان کے لفظ کو ہی لیجیے اس کا معنی تصدیق کرنا ہے یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت و جبت کی بھی آیت ملاحظہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴ : ۵۱)

ترجمہ: "کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لائے ہیں جبت و طاغوت پر"

اسی طرح ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا یہ ترک وطن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے، کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور معبودان باطل کی بھی۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ "وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعث شرف نہیں تو پھر، ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف و فضیلت سے بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت افزائی نہیں ہوگی درحقیقت ان الفاظ میں عزت و شرف ان کے لغوی معنوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی۔ عبادت جب اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز و ذیشان ہوں گے اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اسی نسبت نے اس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے یعنی صدیق اکبرؓ اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلک الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہوتے ہیں۔

از راہ انصاف آپ ہی بتلائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت و معیت اور ایک کافر و فاسق کی صحبت و معیت یکساں ہے، کوئی صاحب ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا نیز حضرت صدیقؓ کی اس سنگت اور رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دو لفظوں میں غور فرمائیے۔ اس قسم کے عدد کا ذکر لغت عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثہ، رابع اربعہ وغیرہا یعنی دو میں سے دوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا۔ اس صورت میں پہلا عدد

دوسرے عدد کا جزو اور حصہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ یعنی دو کو تین بنانے والا تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ اب اسے اس میں داخل کیا جا رہا ہے پہلے صرف دو تھے۔ اس عدد کے اضافہ سے اب دو تین ہو گئے، پہلے صرف تین تھے۔ بعد میں اضافہ ہوا۔ اب دو تین چار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے ان دونوں میں سے دوسرا یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرت صدیق اکبرؓ کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبان رسالت نے یوں بیان فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"چوں ابوبکر در غار کفار را بدید مضطرب شد و بسیار خائف گشت و گفت یا رسول اللہ اگر کسے از مشرکان در زیر قدم خود نگہ کند ہر آئینہ ما را ببیند۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمود ما ظنك باثنين الله ثالثهما"

ترجمہ: "جب ابوبکرؓ نے غار میں سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہوا اور اندیشہ پیدا ہوا عرض کی یا رسول اللہ! اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو"

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ہمارے یہ کرم فرما لا تحزن کے لفظ سے حضرت صدیقؓ پر الزامات و مطاعن کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں آپ بھی سنیئے اور اُن کی روش بیداد کی داد دیجیے۔

کہتے ہیں کہ یہ حزن جس سے حضرت ابوبکرؓ کو منع کیا جا رہا ہے یہ طاعت تھا یا معصیت۔ طاعت تو ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اُس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لازماً یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکرؓ کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔

جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا ــــ لا تخف انك انت الاعلیٰ ــــ اے موسیٰ خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہو گے۔ (۲۰ : ۶۹)

حضرت لوطؑ کو فرشتوں نے کہا: لا تحزن انا منجوك واهلك۔

"اے لوطؑ! حزن نہ کرو ہم تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو نجات دینے والے ہیں"

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: لا یحزنك قولهم۔

"اے حبیب! کفار کی باتیں آپ کو حزین و غمگین نہ کریں"

دوسری جگہ ارشاد ہے: قد نعلم انہ لیحزنک الذین یقولون ..... الآیہ

"اے حبیب! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتیں غمزدہ کر دیتی ہیں"

کیا ہم ان محققین سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سید الانبیاء والرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا فتویٰ کیا ہے۔ یہ خوف اور حزن جس سے انبیاء کو روکا جا رہا ہے طاعت تھا یا معصیت۔ طاعت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف وحزن سے روکا جا رہا ہے لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمائیے انبیاء کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف امور طبعیہ میں سے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجوئی لاتخف اور لاتحزن کہہ کر فرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیقؓ کو حزن وملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اس پرخطر سفر میں شرکت ہی نہ کرتے انہیں اگر کوئی غم تھا یا اگر کوئی حزن تھا۔ اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ ان کے ہادی ومرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبادا کوئی گزند پہنچے ورنہ یہ بزم عالم درہم برہم ہو جائے گی گلشن ہستی میں خاک اڑنے لگے گی، عروس گیتی کا سہاگ لٹ جائیگا ارض وسما کی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہو جائیں گی۔ اپنے محبوب کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدیق کے حزن وملال کی حد نہ رہی۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے میرے یار باوفا! غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے جب ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

"معنا" کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیت الٰہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیت علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے ساتھ ہے، جیسے اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ (۵۸:۷)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں اُن کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی مشورہ کر رہے ہوں"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تہدید اور سرزنش ہے خبردار اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ معیت الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں"

اِس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف سے ان کو نوازتا رہتا ہے۔

معیتِ الٰہی کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء و رُسل کو میسر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں اُن کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سرغنے ذلیل و رُسوا ہوتے ہیں اور اُن تمام اقسام سے اعلیٰ و ارفع معیتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو سید الانبیاء والرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے یارِ وفادار کو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فداك ابی وامی یارسول اللہ ما اکرمك وما اجودك وجزاك اللہ عنا وعن سائر المومنین یا ابابکر ما اوفاك وما اسعد حظك۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسان سے پوچھا کہ اے حسان! کیا تم نے شانِ صدیقؓ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ! میں نے آپ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے۔ فرمایا سناؤ میں سننا چاہتا ہوں۔ حسان نے عرض کیا ؎

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا

"آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا"

وکان حبّ رسول اللہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ الرجلا

"ابوبکرؓ اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

حسان کے یہ شعر سُن کر حضور ہنس پڑے۔ فرمایا اے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ ابوبکرؓ ایسے ہی ہیں۔

(ابن عساکر، ابن زہری عن انس)

اللہ تعالیٰ راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمع جمالِ مصطفوی کے پروانوں کی عزت و احترام اور پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز کرے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنھیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے

حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

حکمت والا ہے (جہاد کے لیے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل ٦٦ اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ

اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔ اگر ہوتا

عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ

وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے۔ لیکن دور معلوم ہوتی ہے

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

انھیں مسافت ٦٧ اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے

٦٦ خفاف کا واحد خفیف اور ثقال کا واحد ثقیل ہے۔ ترکیب میں یہ حال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ تم کسی حال میں ہو جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے پھر دنیا کا کوئی بندھن، کوئی مجبوری اور کوئی عذر تمھیں میدانِ جہاد کا رُخ کرنے سے باز نہ رکھے۔ ای حال کونکم شبانا وشیوخا او فقراء او اغنیاء او رکبانا ومشاتا او اصحاء ومرضی او عزبا ومتاهلین (روح البیان)۔ ترجمہ: خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا امیر، سوار ہو یا پیادے، تندرست ہو یا بیمار، تنہا ہو یا عیالدار، ہر حالت میں دعوتِ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے رزم گاہِ حق و باطل میں شریک ہو جاؤ۔ اگر دشمن عام حملہ بول دے اور خلیفۂ وقت جہادِ عام کا اعلان کر دے تو پھر ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جہاد میں شریک ہو اور اگر دشمن ملک کے کسی ایک حصہ پر چڑھائی کرے تو وہاں کے لوگوں کا فرض ہے کہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں جہاد کے لیے تیار ہو جائیں ورنہ گنہگار ہوں گے۔

٦٧ غزوۂ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب انھیں جہاد کا حکم دیا گیا تھا تو کیونکہ مسافت بڑی طویل تھی اور دشمن بڑا

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع

تمہارے ساتھ۔ ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے ۶۸ (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انھیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر

صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

وہ لوگ جنھوں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

اللہ پر اور روزِ قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۶۹

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے

قوی تھا اس لیے منافقین اپنی معذوری بیان کر کے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر معذرت خواہی کرنے لگے۔ لو کا اسم محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے لو کان المدعو الیہ عرضا قریبا یعنی جس چیز کی طرف انھیں بلایا گیا وہ مکان قریب ہوتا یا سفر آسان ہوتا تو پھر یہ ضرور شریک ہوتے۔

۶۸ منافقین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے عذر بیان کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی کریم النفسی کے باعث انھیں پیچھے رہنے کی اجازت فرما دیتے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انھیں رخصت نہ دی جاتی تو بھی وہ اس مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے۔ بہتر یہی تھا کہ ان کی معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کے نفاق کا حال سب کو معلوم ہو جاتا۔ یہ دریافت کرنے سے پیشتر کہ اے محبوب! تو نے انھیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی یعنی ان کو ننگا کیوں نہ ہونے دیا۔ اتنا فرمانے سے پہلے عفا اللہ عنک کے الفاظ ارشاد فرماتے۔ یہاں یہ کلمات کسی گناہ کی معافی کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ تعظیم و تکریم کے لیے ہیں۔ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی عزت و توقیر کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز ایسے ہی کلمات سے کیا کرتے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: ان ذالک یدل علی مبالغۃ اللہ فی تعظیمہ و توقیرہ یعنی ان کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر میں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ

اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ اپنے شک میں

يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

ڈانواں ڈول ہیں ۷۰ اور اگر انھوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انھوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لیے کچھ

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

سامان ۷۱ لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے انکے کھڑے ہونے کو اسلیے پست ہمت کر دیا انھیں ۷۲ اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو بیٹھے رہنے والوں

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

کے ساتھ۔ اگر نکلتے تمھارے لشکر میں ۷۳ تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کرکے تمھارے درمیان

بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔

۶۹ اہلِ ایمان تو اشارہ پاتے ہی ہتھیار سجا کر حاضرِ خدمت ہو جاتے ہیں صرف وہ لوگ حیلے بہانے کرکے جہاد سے رُوگردانی کر رہے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔

۷۰ منافقین کی حالت کا بیان ہے کہ نہ تو سچے دل سے مومن ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کے ارشاد کی تعمیل میں ہمہ تن مستعد ہوں اور نہ ہی اپنے کفر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر ایمان کے تقاضے پُورے کرنے سے قاصر ہیں ادھر اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی جرأت مفقود ہے بے چارے عجیب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

۷۱ ان میں سے بعض کہنے لگے حضور ہم تو جہاد کے لیے بالکل تیار تھے لیکن عین وقت پر کچھ ایسی مجبوریاں رونما ہو گئیں کہ بادلِ ناخواستہ ہمیں رُکنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظالم سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر ان کا قول درست تھا تو انھوں نے کچھ تیاری کی ہوتی۔ کچھ ساز و سامان جمع کیا ہوتا تو پتہ چلتا کہ ان کا ارادہ تو تھا لیکن مجبوریاں سدِ راہ بن گئیں۔ انھوں نے تو اپنی تلواروں سے گرد تک صاف نہ کی اور نہ اپنے ترکش میں تیروں کا جائزہ لیا۔ بھلا یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے بالکل تیار تھے۔

۷۲ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہی نہ تھا کہ وہ شریکِ جہاد ہوتے اس لیے ان کے حوصلے پست کر دیئے گئے اور انھیں توفیق ہی نہ بخشی کہ وہ شریکِ جہاد ہو سکیں۔

۷۳ اللہ تعالیٰ نے کیوں پسند نہ فرمایا اس کی وجہ اس آیت میں بیان فرما دی۔

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ

ظالموں کو۔ (اے حبیب!) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی ۵۴ اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لیے تجویزیں ۵۵

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ

یہاں تک کہ آگیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے۔ اور ان میں سے بعض

مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَ

کہتے ہیں اجازت دیجیے مجھے (کہ گھر ٹھیرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے ۵۶ خبردار فتنہ میں تو وہ گر چکے ۵۷ اور

۵۴ یہاں ان کی سابقہ شر انگیزی کی طرف اشارہ فرمایا کہ قبل ازیں جنگ اُحد کے موقعہ پر پہلے یہ لوگ لشکر اسلام میں شریک ہوئے لیکن راستہ میں ان کی تین سو کی نفری مسلمانوں سے الگ ہو گئی اور عین اس وقت ان کا علیحدگی اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں اور یہ خوفزدہ اور ہراساں ہو کر کفر کے مقابلہ میں نامردی اور بزدلی کا اظہار کریں۔

۵۵ یعنی آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اور تجویزیں کرتے ہیں۔ تقليب الامر تصريفه من وجه الى وجه وترديده لاجل التدبير والاجتهاد في المكر والخديعة (روح البیان)۔ لیکن آخر کار حق ظاہر ہوا اور اس کی تابانیوں نے ان کی ساری سازشوں کو بے نقاب کر دیا۔

۵۶ حیلہ تراشی میں بھی بڑے جدت طراز تھے بعض ان میں سے کہتے کہ میرے خانگی حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ میں کسی طرح جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں مجبوراً اس کی تعمیل سے قاصر رہوں گا اس لیے آپ مجھے جہاد پر جانے کا حکم ہی نہ دیجیے تاکہ میں نافرمانی کے فتنہ سے بچ جاؤں۔ کتنے حیلہ ساز تھے۔ اسلام و کفر کی کشمکش فیصلہ کن مرحلہ میں ہے اور یہ بناوٹی پاکباز چاہتے ہیں کہ انھیں جہاد کی دعوت ہی نہ دی جائے تاکہ ان کا دامن تقدس نافرمانی کے داغ سے داغدار نہ ہو۔ انھیں یہ سمجھ نہ آئی کہ اس موقع پر ان کا جہاد سے پہلو تہی کرنا ہی ایک جرم عظیم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات کہنے والا جد بن قیس منافق تھا۔ اس نے آکر عرض کی کہ حضور روم کی عورتیں اپنے حسن و جمال میں بہت مشہور ہیں اور عورتوں کے بارے میں میں بہت کمزور واقع ہوا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ انھیں دیکھ کر میری نیت فاسد ہو جائے اور میں فتنہ کا شکار ہو جاؤں اس لیے بہتر ہے کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں۔

إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ

بیشک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ۔ اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بُری لگتی ہے

وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ

انھیں ۷۷ اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور

وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ

لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے ۔ آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی

لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ

ہے اللہ نے ہمارے لیے ۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے مومنوں کو ۷۸ فرمائیے کیا تم

تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

منتظر ہو ہمارے متعلق ۷۹ (کہ ہم مارے جائیں ۔ یہ مراد نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جنکے ہم خواہاں ہیں) اور ہم انتظار

۷۷ جس فتنہ سے بچنے کے لیے وہ حیلے تراش رہے ہیں اس سے بڑے فتنہ میں وہ پہلے ہی گرفتار ہو چکے ہیں ۔

۷۸ اگر مسلمان کسی جنگ میں مظفر و منصور واپس لوٹتے ہیں تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور اگر کہیں مسلمانوں کو زک پہنچتی ہے یا وہ شہید ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے گھروں میں گھی کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی دور اندیشی اور عقلمندی کے دعوے کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ حشر ہونے والا ہے اسی لیے تو ہم ان لوگوں کے ہمراہ نہیں گئے ۔ قد اخذنا امرنا کا معنی ہے کہ ہم نے پہلے ہی سے احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں ۔

۷۹ جب دنیا والے اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں تو ایمان والے اللہ کی نصرت و اعانت پر نظر جمائے ہوتے ہیں ۔ جب دنیا والے مادی منفعتوں اور ظاہری کامیابیوں کو اپنی کامیابی کا معراج تصور کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے تو ایمان والے ہر حال میں رضائے الٰہی کے متلاشی ہوتے ہیں ۔ اگر انھیں یہ سعادت خون بہا کر، سر کٹا کر بھی میسر آئے تو ان کے چہرے خوشی سے چمک جاتے ہیں اور اگر رضاء الٰہی حاصل نہ ہو تو ان کے نزدیک ایسی فتح بھی ہزار ناکامی سے زیادہ المناک ہے ۔ وہ ہر حال میں اس کی خوشنودی کے جویاں اور اسی کی امداد و اعانت پر بھروسہ رکھتے ہیں ۔

۸۰ جب حضور کریم اپنے غلاموں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین غیر جانبدار رہ کر اس جنگ کے انجام کا

اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا

کرتے ہیں تمہارے لیے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ پس تم بھی انتظار کرو

اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالے ہیں۔ فرمایئے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ

تم سے ۸۱ بیشک تم ایک نافرمان قوم تھے۔ اور نہیں منع کیا ہے انھیں کہ قبول کیے جائیں

مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

نماز ادا کرنے کے لیے مگر سست سست اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں ۸۲

انتظار کرنے لگے اور وہ اسی کو اپنی دانشوری کا کمال تصور کیے ہوئے تھے اور جب تک مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ نہ ہو جاتا وہ اپنی قسمت ان کے ساتھ وابستہ کر دینے کو قرین عقلمندی نہ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ان بزرجمہروں سے دریافت فرماؤ کہ تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ ہم اگر راہ خدا میں مارے جائیں تو بھی ہم کامیاب ہیں اور اگر جنگ جیت لیں تب بھی کامیاب۔ تم اپنا خیال کرو تمہارا انجام کیا ہونے والا ہے اور اگر اب تک تمہیں سمجھ نہیں آئی تو تھوڑی دیر اور انتظار کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کی آتش غضب تمہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیگی یا ہمارے ہاتھوں تمہیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

۸۱ بعض منافق اس جہاد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تو تیار نہ تھے لیکن وہ بالکل بے تعلق رہ کر اپنے آپ کو بے نقاب کرنا بھی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیے بارگاہ رسالت میں مالی امداد کی پیش کش کی۔ جد بن قیس جس کا ذکر پہلے گزرا ہے وہ بھی چندہ لے کر حاضر ہوا لیکن اللہ کے حبیب نے اس کو قبول نہ فرمایا کیونکہ مالی امداد بھی اسی کی قبول کی جاتی ہے جس کے دل میں ایمان صادق اور یقین محکم ہو۔

۸۲ اس آیت میں ان کی مالی امداد کو نامنظور کر دینے کی وجہ تفصیل سے بیان فرما دی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد ۸۳ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ

عذاب دے انھیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ

كٰفِرُوْنَ ۝۵۵ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

کافر ہوں۔ اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں ۸۴ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ

لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر مل جاتے انھیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار

۸۳ اللہ تعالیٰ کے دین کی پیہم مخالفت کے باوجود ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ ممکن تھا کوئی سادہ لوح ان کی ظاہری آن بان کو ان کے راہِ راست پر ہونے کی نشانی خیال کرے۔ اس لیے واضح فرمایا کہ یہ دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ ان کی بربادی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ وہ اس کی محبت میں یوں مدہوش رہیں گے کہ عمر بھر انھیں حق قبول کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی اور اسی کفر پر ان کا دم نکلے گا۔ کیا ان سے بھی بڑھ کر کوئی بدنصیب ہو سکتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر وہ نعمت جو یادِ الٰہی سے غافل کر دے اور اس کے محبوب کی محبت کے ولولے کو سرد کر دے بہت بڑا عذاب ہے اور ہر وہ تکلیف جو کسی غافل کو ہشیار کر دے اور یادِ الٰہی کی طرف راغب کر دے بہت بڑی نعمت ہے۔

۸۴ ایمان اور یقین ہی وہ قوت ہے جو شرفِ انسانی کی نگہبان ہے اور اسے ایک مسلک پر ثابت قدم رکھتی ہے اور جہاں یہ مفقود ہو وہاں انسان مصلحت اندیشی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ جدھر ہوا کا رُخ دیکھا اُدھر ہو لیا جس میں اپنی وقتی سلامتی نظر آئی وہی چولا بدل لیا۔ ایسی حالت میں انسان وہ مستحکم چٹان نہیں رہتا جو حوادثات کے طوفانوں سے ٹکرا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکتی بلکہ اس بے بس تنکے کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے جسے پانی کی تند موجیں جدھر چاہتی ہیں بہالے جاتی ہیں۔ منافقین کی بھی یہی حالت تھی۔ دلوں میں تو اسلام کی دشمنی تھی لیکن اسلامی حکومت کے علاوہ ان کے لیے کوئی اور پناہ گاہ بھی نہ تھی اس لیے وہ کھل کر اسلام کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک بے ضمیر آدمی کی طرح قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو ملتِ اسلامیہ کا ایک فرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب مکر و فریب ہے۔ ان کا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ محض مجبوری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اگر انھیں کوئی سر چھپانے کی جگہ مل جائے

أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُم مَّن

یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو ادھر پھیر لیں گے، وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے۔ اور بعض ان میں سے

يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۖ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ

طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں ۵۵ سو اگر انہیں دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر

يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ

انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

انہیں اللہ اور اس کے رسول نے ۵۶ اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ۔ عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

تو فوراً تم سے سارے تعلقات توڑ دیں اور وہاں چلے جائیں۔

بعض الفاظ کی تشریح: ملجأ: پناہ گاہ۔ مغارات: مغارۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ، ھی الموضع التی یستترفیھا۔ مدخلا: وہ جگہ جس میں تکلیف سے داخل ہوا جا سکے۔ یجمحون: جب گھوڑا سرکشی کرتا ہے اور باگ کی پروا نہیں کرتا تو کہتے ہیں جمح الفرس۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی منہ زور گھوڑے کی طرح کسی لگام کی پروا نہ کرتے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں۔

۵۵ بارگاہِ رسالت میں جب زکوٰۃ و عشر کا مال آتا اور حضورؐ اپنے ربِ قدیر کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرتے منافقین جو دولت کے لالچ میں از خود رفتہ ہو چکے تھے ان کا رویہ عجیب تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر نہ ملتا یا توقع سے کم ملتا تو پھر حضورؐ کی ذاتِ اقدس و اطہر پر زبانِ طعن دراز کرنے لگتے۔

۵۶ لو کا جواب محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے ولو انھم رضوا۔۔۔۔ لکان خیراً لھم۔ مومن کا شیوہ تو یہی ہونا چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی اور جنابِ رسالت پناہی سے جو نعمت عطا فرمائی جائے اس پر شکریہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے اس کے مزید فضل و کرم اور اس کے محبوب رسولؐ کی بیش از بیش جود و عطا کا امیدوار رہے۔ مولانا عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "اور جو ظاہری اور باطنی دولت خدا اور رسولؐ کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو۔

وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ

اور اس کا رسول ۸۸ ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں۔ زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے ۸۹ جو فقیر،

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

مسکین ۸۹ اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں ۹۰ اور جن کی دلداری مقصود ہے ۹۱ نیز گردنوں کو آزاد کرانے ۹۲

۸۸ اہل ایمان کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ان کو مالا مال کر دے گا اور اس کے پیارے رسول کا سحاب کرم جب برسے گا اور اس کا دست جود و عطاء جب حرکت میں آئے گا تو فقر و افلاس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے نام نامی کے ساتھ اس کے حبیب کا اسم گرامی ملا دینے سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض صاحبان کہتے سنائی دیتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں یہ آیت ہرگز شامل نہ ہوتی۔

۸۸ نبی رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب صدقات تقسیم فرماتے تو بیمار دل لوگ طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مستحقوں کا ذکر فرما کر معترضین کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ نیز ان مصارف کو تفصیل سے بیان کر دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مبادا کسی وقت کوئی مسلمان فرمانروا اس مد کی آمدنی کو بے جا صرف کرنے لگے۔ نیز زکوٰۃ کیونکہ شریعت اسلامیہ کا ایک اہم ترین رکن ہے اس لیے بھی اس کو وضاحت سے بیان کرنا ضروری تھا۔ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو اس آیت کریمہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ۱۔ فقراء۔ ۲۔ مساکین۔ ۳۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ ۴۔ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ ۵۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔ ۶۔ مقروض۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور ۸۔ مسافر۔ اب تفصیل سے ان کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

۸۹ فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ قول پسندیدہ ہے۔ لیکن بعض علماء لغت نے فقیر اسے بتایا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو۔ یہ اختلاف پتہ دیتا ہے کہ حقیقت میں یہ دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ ناداری، افلاس اور احتیاج ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔ اسی وجہ سے فصحاء کے کلام میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اسلم یہ ہے کہ اس بحث میں نہ الجھیں بلکہ نفسیات انسانی کے رازدار حبیب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکین کی جو تعریف کی ہے اسی کو قول فیصل مانیں۔ حضورؐ نے مسکین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا المسکین الذی لا یجد غنی یغنیہ ولا یفطن فیتصدق علیہ ولا یقوم فیسأل الناس۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو جو اسے غنی کر دے۔ نہ اس کی ظاہری حالت اس کی تنگدستی کا

پتہ دیتی ہو تاکہ لوگ اس کو غریب سمجھ کر صدقہ دیں اور نہ وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہو۔ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس بیس دینار یا دو سو درہم ہوں (یعنی نصاب زکوٰۃ) تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صحت مند ہو اور روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے اور انھوں نے اس کے لیے یہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاتحل الصدقۃ لغنی ولالذی مرۃ سوی اخرجہ ابوداؤد والترمذی والدارقطنی۔ لیکن حضورؐ کے اہل بیت بلکہ سارے خاندان ہاشم کے فقراء اور مساکین پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ کیونکہ حضور کریمؐ کا ارشاد ہے ان الصدقۃ لاتحل لآل محمد انما ھی اوساخ الناس: صدقہ آل محمد (علیہ التحیۃ والثناء) پر حلال نہیں کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔ لیکن امام ابویوسفؒ کا یہ قول ہے کہ خاندان بنی ہاشم کے اغنیاء اپنے خاندان کے فقراء کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ عن ابی یوسف ان الزکاۃ من بنی ھاشم تحل لبنی ھاشم (جصاص۔ احکام القرآن)۔

۹۰ وہ لوگ جو امام وقت کی طرف سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی اسی مد سے دی جاسکتی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ منظم طور پر اسے وصول کرے اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ خلافت عباسیہ کے اختتام تک یہی طریقہ رہا۔ اگرچہ بعض خلفاء اس میں ناجائز تصرف بھی کیا کرتے لیکن زکوٰۃ پھر بھی انہی کو ادا کی جاتی تاکہ یہ نظام باقی رہے۔ چنانچہ جب خلافت بنی امیہ میں منتقل ہوگئی اور مال زکوٰۃ میں انھوں نے بے اعتدالیاں شروع کردیں تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اب زکوٰۃ کسے دینی چاہیے۔ فرمایا کہ وقت کے حاکموں کو اس نے کہا۔ اذ یتخذون بھا ثیاباً وطیباً: وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے لباس فاخرہ اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا: وان اگرچہ وہ ایسا کرتے ہوں (ابن ابی شیبہ از آزاد) امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر عامل بنی ہاشم میں سے کوئی ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اسے تنخواہ نہیں دی جائے گی کرامۃ وتنزیھا لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غسالۃ الناس (قرطبی) لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ اس مد سے زکوٰۃ لے سکتا ہے لانہ اجیر علی عمل مباح فوجب ان یستوی فیہ الھاشمی وغیرہ (قرطبی)۔

۹۱ یعنی لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) کفار کے رئیسوں کو اس غرض سے دینا کہ وہ غریب مسلمانوں کو خود بھی اذیت نہ پہنچائیں اور دوسروں کو بھی اذیت پہنچانے سے روکیں (۲) کفار کو اسلام قبول کرنے کی رغبت دلانے کے لیے مالی امداد دینا (۳) نومسلموں کی خاطر داری کے لیے ان کی اعانت کرنا تاکہ وہ پھر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تین قسم کے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے بڑی فیاضی سے دیا کرتے تھے۔ جمہور علماء کے نزدیک اب یہ شق منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی اور اب ان لوگوں کی تالیف کی ضرورت نہیں لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اگر کسی وقت اس طرح خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو خلیفۂ وقت کو اجازت ہے۔ وقال جماعۃ من

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

اور مقروضوں کے لیے ۹۳ اور اللہ کی راہ میں ۹۴ اور مسافروں کے لیے ۹۵ یہ سب فرض ہے

العلماء: هم باقون لان الامام ربما احتاج ان يتألف على الاسلام وانما قطعهم عمر لما رأى من اعزاز الدين ....
وقال ابن العربي الذي عندي انه ان قوي الاسلام نزلوا وان احتيج اليهم في بعض الاوقات اعطوا سهمهم كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيهم فان في الصحيح بدء الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ (قرطبی) ترجمہ: علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ مصرف اب بھی باقی ہے کیونکہ خلیفہ کو کبھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کرے۔ حضرت عمرؓ نے جب اسلام کا غلبہ دیکھا تو اسے متروک قرار دے دیا۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اگر اسلام قوی اور غالب ہو تو یہ مصرف باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر ان کی تالیفِ قلوب کی ضرورت پڑ جاتے تو انھیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا جس طرح حضور عطا فرمایا کرتے تھے۔

۹۲ اسلام نے غلامی کے انسداد کے لیے جہاں اور کوششیں کیں وہاں یہ کوشش بھی کی کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایک حصہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے متعین کر دیا۔ اسی طرح مسلمان جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کے لیے بھی یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ لانه اذا كان فك المسلم من رق المسلم عبادة وجائزا من الصدقة فاحرى واولى ان يكون ذلك في فك المسلم من رق الكافر وذله (قرطبیؒ) یعنی جب ایک مسلمان غلام کو اس کے مسلمان آقا کی غلامی سے آزاد کرانا عبادت ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ جائز ہے تو ایک مسلمان کو کافر کی غلامی سے رہائی دلانے کے لیے زکوٰۃ سے خرچ کرنا تو اور زیادہ ضروری اور مناسب ہوگا۔

۹۳ وہ مقروض جن کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ ان کی امداد بھی زکوٰۃ کے فنڈ سے کی جا سکتی ہے۔ اس طبقہ کی حالت زار پر بھی اسلام نے ہی ترس کھایا۔ لیکن اس کے نزدیک شرط یہ ہے کہ یہ قرض اس نے کسی بُرے کام کے لیے نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی وجہ سے وہ مقروض ہوا ہو۔

۹۴ اس سے مراد وہ حج کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہیں جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے وہ جنگی ساز و سامان مہیا نہ کر سکتے ہوں ان کی اعانت بھی مال زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مُراد صرف یہ دو قسم کے لوگ نہیں بلکہ ہر وہ کام جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ہو وہ سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ دینی مدرسے جس میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہو اور دین کے مبلغ اور محقق تیار کیے جاتے ہوں وہ بطریق اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں اس کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا ہے: وقال الآلوسي في تفسير الكلمة عند الحنفية اريد بذلك عند ابي يوسف منقطعو الغزاة والحجيج وقيل المراد طلبة العلم و اقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية وفسره في البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل سعي في طاعة الله: علامہ آلوسی نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے مُراد وہ غازی اور حاجی ہیں جو اپنے وطن

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ

اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو ۹۶ (اپنی بدزبانی سے) اذیت

سے دُور ہوں اور ان کے پاس اپنے اخراجات پورے کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اور بعض نے اس سے مراد طلبہ لیے ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالب علم ہی لیے ہیں۔ اور صاحب بدائع کے نزدیک ہر وہ نیک کام سبیل اللہ میں داخل ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل ہو سکے۔ اس کے بعد صاحب المنار رقم طراز ہیں والتحقیق ان سبیل اللہ ھنا مصالح المسلمین عامۃ التی بھا قوام امر الدین والدولۃ دون الافراد (ج ۱۰ ص ۵۸۵)۔ ترجمہ: تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ مصالح اور مفید کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ جن سے دین اور دولت دونوں کو تقویت حاصل ہو۔ ومن اھم ما ینفق فی سبیل اللہ فی زماننا ھذا اعداد الدعاۃ الی الاسلام وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمۃ تمدھم بالمال الکافی کما یفعلہ الکفار فی نشر دینھم (ج ۱۰ ص ۵۸۷)۔ ترجمہ: ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے وہ مبلغین اسلام کو تیار کرنا ہے اور انھیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفار کے ممالک میں تبلیغ دین کے لیے بھیجنا ہے اور ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ یدخل فیہ النفقۃ علی المدارس للعلوم الشرعیۃ وغیرھا مما تقوم بہ المصلحۃ العامۃ (ج ۱۰ ص ۵۸۸)۔ ترجمہ: اس میں مدارس اسلامیہ داخل ہیں جن میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحت عامہ ہے۔

۹۵ وہ مسافر جس کی زادِ راہ ختم ہو چکی ہو اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ سفر کسی گناہ کی نیت سے نہ ہو۔

۹۶ جوہری (امام لغۃ) کہتے ہیں کہ جو شخص ہر ایک کی بات سن لے اسے رجل اُذُن کہتے ہیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو ہر ایک کی بات سنے بھی اور اسے مان بھی لے اسے رجل اذن کہا جاتا ہے (قرطبی) منافقین کا یہ شیوہ تھا کہ اپنی نجی محفلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی جناب پاک میں جو جی میں آتا بک دیتے۔ اگر کوئی انھیں کہتا کہ تمھاری باتوں کا علم اگر حضور علیہ السلام کو ہو گیا تو بڑی قیامت ہو گی تو وہ نابکار کہتے اجی اس کا فکر نہ کرو۔ وہ کانوں کے بڑے کچے ہیں۔ اگر کسی نے ہماری کوئی بات ان سے کہہ بھی دی تو کیا ہو گا۔ ہم جا کر حلفیہ بیان دے دیں گے کہ ہم نے یہ بات ہرگز نہیں کہی تو وہ فوراً ہماری بات مان جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کا تمھاری بات سن لینا اور تم سے اعراض کرنا تمھارے لیے ہی اچھا ہے۔ ورنہ اگر حقیقت آشکارا کر دی جاتی تو تمھارا نفاق ظاہر ہو جاتا اور تم روسیاہوں کو منہ چھپانے کے لیے جگہ نہ ملتی۔ وہ تو محض از راہ شفقت و پردہ پوشی تم سے اعراض کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ وہ تمھاری بات کو سچ سمجھتے ہیں اور تمھارا جھوٹ ان سے پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی بات کا یقین رکھتے ہیں۔ اور مخلص اہلِ ایمان کی باتوں پر اعتبار کرتے ہیں۔

يَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ

دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے

لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے ۹۷ جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں ۹۸ اللہ کے

رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ

رسول کو۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں ۹۹ اللہ کی تمہارے سامنے

۹۷ جو بیگانوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور دشمنوں کو رسوا نہیں کرتا۔ اس کی شفقت، اس کی رأفت، اس کی رحمت اپنوں پر کس طرح نوازشات فرماتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے سابقہ جملہ کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔

۹۸ قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتا دیا کہ کوئی ہو جس نے میرے حبیبؐ کے دلِ رحیم کو ایذاء پہنچائی وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اب وہ لوگ جو حضورؐ کے کمالاتِ علمی کا انکار کرتے ہیں اور اس بُرے ارادے سے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسی چیز ہاتھ آجائے جس سے وہ اپنے ناقص اور غلط خیال کے مطابق اللہ کے پیغمبر کی جہالت ثابت کر سکیں یا کمالاتِ مصطفوی کا انکار کر سکیں اور اس رفعت و تقدس مآب کی جناب میں بازاری الفاظ بڑی بے حیائی اور بے باکی سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کرتے ہیں وہ خود سوچیں کہ ان کا حشر کیا ہوگا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۹۹ بتایا جا رہا ہے کہ منافقین کتنے نادان ہیں کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی پاک باطنی اور نیک نیتی کو ثابت کرنے کے لیے آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں لیکن ایسی باتوں سے اللہ اور اس کا رسول تو خوش نہیں ہو سکتا اور حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے۔ واللہ ورسولہ احق کی ترکیب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول کا ذکر کر دیا جائے تو ہر جگہ شرک نہیں ہو جاتا جیسے بعض متشدد لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اہلِ ایمان کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے حبیب رسول کی خوشنودی ہر عمل میں پیشِ نظر رکھیں۔ نحوی قاعدہ کے مطابق یرضوھما ہونا چاہیے تھا کیونکہ مرجع اللہ اور رسول دو ہیں اس لیے ضمیر بھی تثنیہ کی ہونی چاہیے تھی۔ واحد کی ضمیر ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا دو الگ الگ نہیں بلکہ

لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا

تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ

مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ

ایماندار ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے[1] اللہ اور اس کے رسول کی تو

لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ

اس کے لیے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ ڈرتے رہتے ہیں

الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي

منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے اہل ایمان پر کوئی سورۃ جو آگاہ کر دے انہیں جو کچھ منافقوں

قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾

کے دلوں میں ہے۔ آپ (انہیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو۔ یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو[1]

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ

اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرمائیے

ایک ہی ہے جس پر اللہ راضی اس پر اس کا رسول بھی خوش اور جس پر اس کا رسول راضی اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی میسر ہے۔

[1] محادۃ کہتے ہیں کسی کے مقابلہ میں اپنا الگ محاذ قائم کر لینا والمحادۃ وقوع ھذا فی حد وذاک فی حد (قرطبی) مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں ان کا ابدی ٹھکانا دوزخ ہے۔

[1] یعنی ان کو ہمیشہ اس بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کے نفاق کو ظاہر نہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک جس چیز کا تمہیں اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا اور ہم نے اپنے مصطفےٰ علیہ الطیب التحیۃ والثناء کو تمہارے ناموں اور تمہارے کاموں پر مطلع کر دیا۔ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ان کو ظاہر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے احوال اور ان کے اسماء کا علم عطا فرما دیا۔ اخرج اللہ انہ عرف نبیہ علیہ السلام احوالھم واسماءھم لا انھا نزلت فی القرآن ولقد قال اللہ تعالیٰ ولتعرفنھم فی لحن القول وھو نوع العام۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ السلام کو ان کے

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ

(گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے؟ ۱۰۲ (اب) بہانے مت بناؤ

كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو تم میں سے تو عذاب دیں گے

نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ

دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے۔ منافق مرد اور

الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں ۱۰۳ حکم دیتے ہیں برائی کا اور

حالات اور ان کے ناموں پر آگاہ کر دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے نام اور احوال تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر کر دیتے بلکہ بذریعہ الہام ان کا علم دے دیا۔ قرآن کریم میں ہے ولتعرفنهم فی لحن القول: اے حبیب! تم ان کی گفتگو کے لہجے سے انہیں ضرور پہچان لو گے۔ یہ پہچان بھی الہام کی ایک قسم ہے۔

۱۰۲ مسلمانوں کا تمسخر اڑانا منافقین کا ایک پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کوئی موقع بھی تو ہاتھ سے جانے نہ دیتے خصوصاً جب مسلمان اپنی بے سروسامانی کے باوجود قیصر سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے تو ان بدباطنوں کو پھبتیاں اڑانے کا زریں موقع مل گیا۔ کوئی کہتا یہ دیکھو! چشم بد دور اب شہنشاہ روم سے جنگ لڑنے چلے ہیں۔ کوئی کہتا ان کے وہاں پہنچنے کی دیر ہے رومی فوجیں ان کی وہ درگت بنائیں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ دوسرا کہتا یار مزا تو جب ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور اوپر سے کوڑے برس رہے ہوں۔ غرضیکہ جب ان کی نامعقول باتوں کا چرچا ہوتا تو گریہ مسکین کی طرح حاضر ہوتے اور کہتے یا حضرت! ہم تو صرف دل لگی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کم بختو! کیا اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کوئی نہیں رہا جس کے ساتھ تم دل لگی کر سکو۔

۱۰۳ منافق مرد ہوں یا عورتیں سب کا مزاج یکساں ہے۔ ہر برے نظریہ اور ہر برے فعل کی ترویج و اشاعت میں بڑے چست ہیں اور اگر کہیں سے نیکی کی کرن پھوٹے تو تلملا جاتے ہیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی پھلنے پھولنے نہ پاتے اور اس کے علمبردار کہیں ترقی اور اقتدار حاصل نہ کر لیں۔ اگر نیک کام میں ان سے مالی اعانت کا مطالبہ کیا جائے تو خواہ ان کے ہاں روپیہ کی فراوانی ہو ان کی مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں اور انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس کے لیے ایک

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انھوں نے بھلا دیا ہے

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انھیں ۱۰۴ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ

منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا، ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں۔ یہی کافی ہے انھیں

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انھی کے لیے ہے دائمی عذاب ۱۰۵ (منافقو!) تمھاری حالت بھی ایسی ہے جیسے اُن

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا

لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں ۱۰۶ سو لطف اٹھایا انھوں نے

پانی بھی خرچ کریں۔

۱۰۴ انھوں نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ انھیں اپنا خدا یاد نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولائے کریم نے بھی ان بدنصیبوں کو اپنی رحمت و عنایت سے فراموش کر دیا جہاں دوسروں کے لیے اس کے فضل و کرم کے دروازے کھلے ہوتے ہیں وہاں ان کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کر دیا گیا ہے گویا باہر کوئی سائل ہے ہی نہیں جس کی طرف دستِ جود و سخا دراز کرنا مطلوب ہو۔ خدا فراموشی انسان کو خود فراموش بنا دیتی ہے۔ یہ جرم جتنا بڑا ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہے۔

۱۰۵ رحمت و عنایت کے مستحقین کی فہرست سے تو ان کا نام خارج کر دیا گیا ہے کیونکہ انھیں اس کی خواہش ہی نہ تھی البتہ دوزخ کے دہکتے ہوئے انگارے ان کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی کے لیے وہ عمر بھر کوشاں رہے۔ اسی کی آرزو میں وہ رات دن بیقرار رہے۔ سو اب ان کی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے ان سے پختہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ انھیں جہنم میں ابدی قرارگاہ دے دی جائے گی جہاں سے انھیں نکالا نہیں جائے گا۔

۱۰۶ اے اہلِ نفاق! اس محفلِ ہستی میں تمہارا وجود کوئی اچنبھا نہیں۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزر چکے ہیں جو قوت و طاقت میں اور مال و دولت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ انھیں بھی سمجھانے والوں نے بہتیرا سمجھایا لیکن زندگی کے اعلیٰ

بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ

اپنے (دنیوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انھوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے یہی

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ۔ اور یہی لوگ نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ

اُٹھانے والے ہیں ۔ کیا نہ آئی اُن کے پاس خبر ۱۰۷ اُن لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ

اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

وہ بستیاں جنھیں اُلٹ دیا گیا تھا ۔ آتے تھے ان سب کے پاس انکے رسول روشن دلیلیں لیکر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور)

اور پاکیزہ مقصد کو سمجھنے سے ان کی خام عقلیں قاصر رہیں اور وہ جسمانی لذتوں اور شہوانی خواہشوں میں ہی کھو کر رہ گئے ۔ اور زندگی کی قیمتی گھڑیاں یونہی برباد کر کے اس دُنیا سے چلے گئے ۔ اور ان کا انجام بہت حسرتناک اور دردناک ہوا ۔ وہی روش تم نے اختیار کر رکھی ہے ۔ سو تمہارا بھی وہی عبرتناک انجام ہونے والا ہے ۔ کالذین من قبلکم خبر ہے ۔ اور اس کی مبتدا انتم محذوف ہے ۔ تقدیر کلام یوں ہے انتم کالذین من قبلکم (قرطبی) ۔

۱۰۷ اب صراحۃً ان قوموں کے نام لے لے کر انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے جن کی عظمت و سطوت کی داستانیں اور پھر ان کی تباہی و بربادی کے قصے خود ان کے ہاں بچے بچے کی زبان پر تھے ۔ اصحاب مدین سے مراد قوم شعیب علیہ السلام ہے ۔ مؤتفکات : ائتفاک کا معنی ہے زمین کو زیر و زبر کر دینا ۔ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے کہ جب ان پر عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو اُلٹ دیا گیا ۔

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ۱۰۸ نیز مومن مرد

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں ۱۰۹ حکم کرتے ہیں نیکی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ

زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ

۱۰۸ مذکورۂ بالا قوموں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ان پر ظلم اور زیادتی نہیں تھی بلکہ ان کو صحیح راستہ بتا دیا گیا۔ وقتاً فوقتاً ان کو ان کی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے انبیاء بھیجے گئے۔ آسمانی ہدایت کی روشنی ان کے سامنے حق و باطل کو نمایاں کرتی رہی لیکن بایں ہمہ جب وہ اسی راہ پر چلنے پر مصر ہوتے جو ہلاکت کے گہرے غار میں لے جانے والی تھی تو انجام کار وہ اس غار میں جا گرے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ قصوروار کون ہے اور کیا خداوند عالم نے ان کے ساتھ بے انصافی کی یا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

۱۰۹ وہ قوم جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا ان کی خصوصیتوں کا بیان تو گزر چکا کہ انھیں نیکی سے طبعی ضد ہے اور برائی سے طبعی مناسبت۔ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے سے ان کے دل ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد تو انھیں نصیب نہیں لیکن جنھوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور اسلام کو اپنا دین اور نبی پاک کو اپنا ہادی اور مرشد تسلیم کیا۔ کیا انھوں نے صرف اپنا لیبل ہی بدلا ہے یا ان میں اور ان میں حقیقی فرق بھی ہے۔ اس آیت میں اسی حقیقی فرق اور عظیم انقلاب کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انسان میں رونما ہوتا ہے فرمایا جو خوش نصیب مرد اور عورتیں میرے حبیب کی دعوت کو قبول کرتی ہیں ان میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ نیکی کو فروغ دینے کے لیے اپنے سارے وسائل وقف کر دیتے ہیں۔ اپنی راحت و آرام کو قربان کر دیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو نیکی کا پرچم بلند رکھنے کے لیے وہ اپنی جان بھی خوشی خوشی نثار کر دیتے ہیں اور ان کا وجود باطل کے لیے تو ایک چیلنج ہوتا ہے۔ وہ باطل اور برائی کی سروری قبول کرنے سے صاف

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

۱۱۰ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ

باغات کا، رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں - یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں - نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ

طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ

مکانات کا سدا بہار باغوں میں ۱۱۱ اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے ۱۱۲ یہی تو

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ ع ۹ ۱۵

بڑی کامیابی ہے ۱۱۳ اے نبی کریم! جہاد کیجیے کافروں اور

انکار کر دیتے ہیں اور جہاں تک ان کا بس چلتا ہے وہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ نماز ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کریم کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

۱۱۰ یہاں سین تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنی رحمت فرمائے گا۔ وحرف السین فی قولہ سیرحمہم اللہ للتوکید والمبالغۃ (رازی)

۱۱۱ جب کوئی چیز کسی جگہ ہمیشہ کے لیے اقامت گزیں ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں عدن بمکان کذا۔ اسی لیے کان کو بھی معدن کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ اسی دھات کی قرارگاہ ہوتی ہے۔ ویسے جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام بھی عدن ہے، جو وسط میں ہے اور دوسرے جنت اس کے اردگرد ہیں۔ اسی میں تسنیم کا چشمہ ہے۔ انبیاء کرام، شہداء، صدیقین کے لیے مخصوص ہے۔ وقال مقاتل والکلبی عدن اعلیٰ درجۃ فی الجنۃ وفیہا عین تسنیم والجنان حولہا (قرطبی)

۱۱۲ بیشک اہل عشق و محبت تو فقط اسی کے متلاشی رہتے ہیں۔ محبوب حقیقی کی خوشنودی سے کم وہ کسی چیز پر مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کی شب بیداریاں، ان کی ریاضتیں اور ان کی آہ و زاریاں اسی لیے تو ہوتی ہیں کہ ان کا محبوب ان پر راضی ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اذا کنت منی یا منی القلب راضیا ۔۔۔ اری کل من فی الکون لی یتبسم

اے میرے مطلوب دل! اگر تو مجھ پر راضی ہو جائے تو مجھے کائنات کی ہر چیز مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجیے ان پر ۱۱۴ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا

الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ

ٹھکانا ہے ۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انھوں نے یہ نہیں کہا ۱۱۵ حالانکہ یقیناً انھوں نے کہی تھی کفر کی

کتنا بلند اور پاکیزہ ہے یہ مقصد اور کتنے خوش نصیب اور سعادتمند ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اس مقصد کی لگن ہوتی ہے اللھم اجعلنا منھم و معھم و انت ارحم الراحمین بجاہ حبیبك الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۱۳ ع یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

۱۱۴ اس آیت میں غور کرنے سے ان لوگوں کے تمام شکوک و شبہات کا قلع قمع ہو جانا چاہیے جو حضور رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کے مقام رفیع کے انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے ایمان میں بھی شک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کفار اور مشرکین کے ساتھ اب نرمی اور عفو و درگزر کا سلوک نہ کیجیے بلکہ ان کے ساتھ جنگ کیجیے اور سختی سے برتاؤ کیجیے۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہو چکا تھا اور سارے جزیرۂ عرب میں اسلام کی عظمت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کو کسی کا اندیشہ نہ تھا تاکہ یہ کہا جا سکے کہ حضور اسلام کی ظاہری کمزوری کے باعث منافقوں سے سختی نہ کر سکے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک اپنے تمام صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ، کریمانہ اور فیاضانہ تھا۔ محبت و عنایت کا بادل ہر وقت ان پر برستا رہا۔ یہ دیکھ کر ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ ایمان و یقین کے مجسمے تھے حضور کی تیئس سال کی شبانہ روز محنت و تربیت کے شیریں ثمر تھے۔ اگر ان کو کوئی نادان منافق کہتا ہے تو وہ ان کو نہیں ان کے آقا و مولیٰ پر گویا یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے ان سے یہ محبت بھرا سلوک کر کے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ العیاذ باللہ۔ سبحانك ھذا بھتان عظیم۔

۱۱۵ منافقین جو دل سے ایمان نہیں لاتے تھے بلکہ محض دنیاوی مفاد اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے جب وہ الگ بیٹھتے تو اسلام اور رسول اسلام کے خلاف گستاخیاں کرتے اور جب بھی ان کا راز فاش ہوتا تو اپنی برائت ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کے پل باندھ دیتے کہ واللہ باللہ ہم نے ہرگز یہ بات نہیں کہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں سے تم خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جو سب رازوں کا جاننے والا ہے۔ تم نے یہ باتیں کہیں اور اظہار اسلام کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا۔ اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بارہ تیرہ منافقوں نے تہیہ کر لیا کہ جب رات کو حضور سفر کر رہے ہوں اور کسی گھاٹی

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

بات اور انھوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے[۱۱۶]

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

سو اگر وہ توبہ کریں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ

کے دبانے پر پہنچیں تو دھکا دے کر گرا دیا جائے۔ چنانچہ حضور تشریف لیے جا رہے تھے۔ حذیفہؓ بن یمان اونٹنی کی نکیل پکڑے آگے آگے تھے اور عمارؓ پیچھے پیچھے۔ جب اونٹنی ایک گھاٹی کے کنارے پر پہنچی تو بارہ آدمی جنھوں نے اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ نے عتاب آلود آواز سے جب انھیں للکارا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے حذیفہ و عمارؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے انھیں پہچانا؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انھوں نے منہ چھپائے ہوئے تھے۔ ہم تو انھیں پہچان نہ سکے۔ حضورؐ نے فرمایا ھٰؤلاء المنافقون الی یوم القیامۃ۔ یہ ازلی بدبخت ہیں قیامت تک یہ منافق ہی رہیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اس مقصد سے آئے تھے کہ مجھے گھاٹی میں گرا دیں۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ان کے قتل کا حکم کیوں صادر نہیں فرما دیتے۔ حکیم نبی نے جواب دیا: لاکرہ ان یتحدث العرب بینہا ان محمداً قاتل بقوم حتی اذا اظہرہ اللہ بہم اقبل علیہم یقتلہم (ثم قال اللہم ارمہم بالدبیلۃ قلنا یا رسول اللہ! ما الدبیلۃ؟ قال شہاب من نار یقع علی نیاط قلب احدہم فیہلک (ابن کثیر) ترجمہ: نہیں میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد (علیہ السلام) ایک قوم کو ساتھ لے کر لوگوں سے لڑتا رہا اب جب غالب آگیا تو اسی قوم کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ! انھیں دبیلہ کا تیر مار۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے فرمایا یہ آگ کا شعلہ ہے جو ان کی رگ دل پر پڑے گا اور انھیں ہلاک کر دے گا۔

۱۱۶ یعنی ان احسان فراموشوں کو دیکھو کہ قرضوں کے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے کھانے تک کو میسر نہ تھا میرا رسول مدینہ میں تشریف فرما ہوا تو اس کی برکت سے کاروبار میں برکت ہوئی کھیتوں میں اناج پیدا ہونے لگا۔ مال غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملتا رہا۔ اب جب مالی حالت اچھی ہو گئی تو بجائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں جن نوازشات سے مالا مال فرمایا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے الٹا مخالفت پر آمادہ ہیں۔ یہ بعینہٖ اس طرح ہے جس طرح ہم اردو میں کہتے ہیں کہ میرا اس کے سوا اور کیا قصور ہے کہ میں نے اسے مصیبت سے نجات دلائی۔

عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ

عذاب الیم - دُنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا رُوئے زمین

مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ

میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار - اور کچھ ان میں سے وہ ہیں ۱۱۷ جنھوں نے وعدہ کیا اللہ کے

۱۱۷ ثعلبہ بن حاطب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مالدار کردے حضورؐ نے فرمایا اے ثعلبہ کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ تم میری طرح ہو۔ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے کے بن جاتے اور میرے ساتھ ساتھ چلتے۔ اس نے پھر وہی عرض کی کہ حضور دُعا فرمادیں کہ میں مالدار ہو جاؤں اور مجھے خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق مبعوث فرمایا اگر مجھے دولت ملی تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا اے ثعلبہ! قلیل تطیق شکرہ خیر من کثیر لا تطیقہ: اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرسکو اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے سے قاصر رہو۔ لیکن اس نے پھر اپنی عرض دُہرائی۔ حضورؐ نے دُعا فرمائی اللّٰھم ارزقہ مالاً۔ اے اللہ اس کو مال عطا فرما۔ اب کیا تھا لبِ مصطفوی دُعا کے لیے کھلے تو ادھر رزق کے دروازے کھل گئے۔ اس نے چند بکریاں خریدیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ مدینہ میں کوئی حویلی ایسی نہ تھی جہاں وہ سما سکیں۔ باہر دُور جنگل میں ڈیرہ بنایا۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ صبح و شام مسجد میں بسر ہوتی اور اسی وجہ سے اسے حمامۃ المسجد (مسجد کی کبوتری) کہا جاتا تھا۔ اب پہلے دن کو غیر حاضری ہوتی۔ پھر رات کو بھی غیر حاضری ہونے لگی۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں نصیب ہوتی۔ لیکن ریوڑ کی غیر متوقع افزائش کے باعث مصروفیات اتنی بڑھیں کہ جمعہ تو کیا عید کے دن بھی حاضری نصیب نہ ہوتی۔ اسی اثنا میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ حضورؐ نے اپنے دو عامل اس کے پاس روانہ فرمائے۔ اس نے کہا یہ تو بہت زیادتی ہے۔ تم ذرا آگے سے ہو آؤ میں اتنے میں سوچ رکھوں گا۔ وہ دونوں اس کے ہاں سے سلیمی کے پاس گئے۔ اس نے ثعلبہ کی بات سُن لی تھی۔ اس نے بہترین جانور زکوٰۃ کے لیے بخوشی پیش کردیے۔ جب واپسی پر ان عاملوں کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو کہنے لگا ذرا وہ خط دکھاؤ دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے۔ پڑھنے کے بعد کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ جب وہ عامل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس سے پیشتر کہ وہ کچھ عرض کریں حضورؐ نے فرمایا: ویح ثعلبہ بن حاطب ثعلبہ ہلاک ہوگیا اور سلیمی کے لیے حضورؐ نے دُعا فرمائی۔ چنانچہ ثعلبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے رشتہ داروں نے اسے بتایا کہ تیرے حق میں یہ آیت اُتری ہے تو زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے مجھے منع فرمایا ہے چنانچہ وہ رونے لگا اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی وہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تیری زکوٰۃ اللہ کے رسول نے منظور نہیں فرمائی تو میں کیسے منظور کرسکتا ہوں۔ پھر عہدِ فاروقی میں حاضر ہوا اور زکوٰۃ

اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

پس جب اس نے عطا فرمایا انھیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ

منہ پھیرنے والے ہیں۔ پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں ۱۱۸ اس دن تک جب ملیں گے

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ

اس کو اس وجہ سے کہ انھوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انھوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ

کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

ہے سارے غیبوں کو۔ جو لوگ (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے ۱۱۹

پیش کی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہہ کر رد فرما دی کہ جب تیری زکوٰۃ رسول کریم نے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کی تو میں کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں وہ عہد عثمانی میں مر گیا۔

۱۱۸ یعنی نفاق کی بیماری جو پہلے ان میں تھی اس پیہم بدعملی، وعدہ خلافی اور بدکاری سے اور زیادہ بڑھ گئی اور اس کی جڑیں ان کے دل میں اس مضبوطی سے گڑ گئیں کہ موت سے پہلے ان کے اکھڑنے کا امکان ہی نہ رہا جیسے معمولی نزلہ علاج میں غفلت اور بدپرہیزی کی وجہ سے تپ دق میں بدل جاتا ہے اور مہلک اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

۱۱۹ ایک دفعہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لے کر حاضر ہوتے۔ عدی بن حاتم نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ مسلمانوں کو اتنا مال کثیر راہ خدا میں پیش کرتے دیکھ کر منافقین کہنے لگے یہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے کب لاتے ہیں یہ تو محض ریاکاری ہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر

فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ

اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے

مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ

ہیں - اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے - آپ بخشش طلب کریں ان

اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ

کے لیے یا نہ کریں ۱۲۰ اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے ستر بار جب بھی

يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں - یہ محض اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول (کریم) کا - اور

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ

اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو - خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانیوالے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر

اپنی سخاوت کا سکہ جما سکیں - اتنے میں ایک غریب صحابی ابو عقیل سیر بھر کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو ان نالائقوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا - اور کہنے لگے کہ اس ایک سیر سے کس لشکر کی ضیافت کا سامان ہو گا - غرضیکہ ان کا نفس امارہ نہ تو متمول مسلمانوں کی فیاضانہ پیش کشوں سے متاثر ہوتا نہ ان نادار جانبازوں کے ایثار سے جو ساری ساری رات کنوئیں سے پانی نکالتے رہتے اور جو کچھ مزدوری ملتی اسے وہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے اپنے رسول کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔

۱۲۰ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور خوشامد کرتے ہوئے کہتا ھذا رسول اللہ اکرمہ اللہ واعزہ ونصرہ - یہ اللہ کے سچے رسول ہیں اللہ تعالیٰ انہیں عزت و نصرت عطا فرمائے - جب اُحد کے بعد اس کا نفاق واضح ہو گیا تو پھر اس نے کسی موقع پر کھڑے ہو کر یہی الفاظ دہرائے - حضرت فاروقؓ سے نہ رہا گیا - آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اللہ کے دشمن! تیرا کفر اب چھپائے نہیں چھپ سکتا - دوسرے حاضرین نے بھی اسے ملامت کی - چنانچہ نماز پڑھے بغیر غصہ سے بل کھاتا ہوا وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا - راستے میں کسی نے اسے کہا کہ کدھر بھاگے جا رہے ہو - حضورؐ کی خدمت میں جاؤ اور ان کا دامن کرم پکڑ لو اور اپنی بخشش اور مغفرت کے لیے عرض کرو - اس بدبخت نے کہا ما ابالی استغفرلی او لم یستغفر - وہ میرے لیے مغفرت کی دعا مانگیں

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد[۱۲۱] اور ناگوار تھا انھیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

راہِ خدا میں[۱۲۲] اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں[۱۲۳] فرمایئے دوزخ کی آگ

اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا

اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ کچھ سمجھتے۔ تو انھیں چاہیے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں

كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

زیادہ[۱۲۴] یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ

یا نہ مانگیں مجھے ذرا پروا نہیں یعنی مجھے ان کی مغفرت کی دعا کی ضرورت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے متعلق تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۱۲۱ منافق جہاد میں شریک نہ ہوتے اور حضور کریم کی ہمرکابی کی سعادت انھیں حاصل نہ ہوتی۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس محرومی پر غمزدہ ہوتے اور اپنے بختِ برگشتہ پر افسوس کرتے اُلٹے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ چلو بچ گئے۔

۱۲۲ جب ان کے دلوں میں ایمان ہی نہ تھا تو انھیں وہ ذوق اور لطف کیسے میسر ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اس کی رضا کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے اہلِ ایمان کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کے لیے تو یہ سب کچھ ایک مصیبت تھی جس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے وہ بہانوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

۱۲۳ خود تو وہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے لیکن اسی پر وہ اکتفا کرنے والے کب تھے۔ وہ دوسرے اہلِ ایمان کو بھی گرمی کی شدت سے ڈراتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ اس گرمی سے بچ گئے تو کیا ہوا اس بھون کر رکھ دینے والی آگ سے کیونکر نجات حاصل کرو گے۔ لیکن ان چیزوں کو تو صرف دانا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ان نادانوں کو کیا سمجھ۔

۱۲۴ یہ جملہ صورۃً امر ہے اور معنیً خبر۔ مطلب یہ ہوا کہ اس فانی زندگی کے چند روز وہ ہنسی خوشی گزار دیں گے لیکن آئندہ آنے والی ابدی زندگی میں انھیں رونا ہی رونا ہے۔ ھو امر بمعنی الخبر انھم سیضحکون قلیلا و

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرمائیے نہیں نکلو گے تم میرے

مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ

ہمراہ کبھی اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے۔ تم نے تو (خود) پسند کیا تھا (گھر) بیٹھ رہنا

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى

پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ [۱۲۵] اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر [۱۲۶] بیشک انھوں نے کفر کیا

یکون کثیرا۔ (قرطبیؒ)

[۱۲۵] خالفؔ کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا لیکن علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ خلف بمعنی فساد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خلف اللبن دودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فلان خالفۃ اھل بیتہ۔ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خلوف فم الصائم ہے جبکہ منہ کی بو روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا فاقعدوا مع الفاسدین یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ پہلے تم نے جان بوجھ کر میرے رسول کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اب بطور سزا تمھیں جہاد کی توفیق سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ اب اگر لشکر اسلام کہیں جہاد پر روانہ ہوا اور تم جہاد کرنے کے لیے نکلنا بھی چاہو گے تو تمھیں ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا جائے گا۔ وھذا یدل علی ان استصحاب المخذول فی الغزوات لا یجوز (قرطبیؒ)۔ ترجمہ: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی مردود اور راندۂ درگاہ کو جہاد میں ہمراہ لے جانا جائز نہیں۔

[۱۲۶] منافقین نے جنگ تبوک میں شرکت نہ کر کے جب اپنے آپ کو آشکارا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ اب آپ بھی ان سے پہلی سی نرمی اور رأفت کا برتاؤ نہ کیا کریں بلکہ ان کو ننگا ہونے دیں تاکہ دوسروں کے لیے موجب عبرت ہوں۔ اس لیے اب آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے روک دیا اور اسی سلسلہ میں ہی یہ حکم فرمایا کہ اب ان کی نماز جنازہ نہ پڑھا کیجیے اور نہ ان کی قبر پر تشریف لے جائیے۔ ان کی کفر و گمراہی نے انھیں اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ رحمت الٰہی ان کی طرف مائل ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی مرض موت میں مبتلا ہوا تو حضور اس کی عیادت کے

لیے تشریف لے گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔ پھر اس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ کفن کے لیے اسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضورؐ نے اُوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہیے جو آپ کے جسدِ اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے کو اپنی پاک قمیص کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقت سے نقاب اُٹھایا اور فرمایا اے عمرؓ! ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئاً فلعل اللہ ان یدخل بہ الفاً فی الاسلام (کبیر) اے عمرؓ اس کافر اور منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہیں پہنچائے گی۔ بلکہ اس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزار آدمیوں کو مشرف باسلام کرے گا۔ منافقوں کا ایک انبوہِ کثیر ہر وقت عبداللہ کے پاس رہتا تھا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے بعد اپنی بخشش اور نجات کے لیے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اُٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ اس رحمتِ عالمیاں کی بارگاہِ بیکس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے تو بجائے اس کے کہ حالتِ یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں اب ہی کیوں نہ اس پر ایمان لے آئیں اور سچے دل سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اسی دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے حسنِ خلق سے مشرف باسلام ہوا۔ اسلم منھم یومئذ الف (کبیر) جو ڈوب چکا تھا وہ تو ڈوب چکا تھا لیکن ہزاروں ڈوبتے ہوؤں کو تو بچا لیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا جو مخلص مسلمان تھا حاضر ہوا اور اپنے باپ کی موت کی اطلاع دی۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ اور اس کا جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر آؤ۔ اس نے عرض کی حضور خود کرم فرما دیں۔ اس پیکرِ عفو و عنایت نے نہ کی۔ اُٹھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے روانہ ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے پھر گزارش کی یا رسول اللہ، اللہ اور رسول کے اس دشمن کی نماز جنازہ نہ پڑھیے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور جبریلؑ نے حضورؐ کا دامن پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا ولا تصل علی احد الخ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے قمیص کیوں عطا فرمائی۔ مفسرین نے اس کی کئی ایک وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب جنگ بدر میں (حضرت) عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے گرفتار کیے گئے تو ان کی اپنی قمیص پھٹ گئی تھی حضورؐ نے انھیں قمیص پہنانا چاہی کیونکہ عباس دراز قامت تھے۔ عبداللہ بن اُبی کا قد بھی بڑا لمبا تھا اس لیے اس کی قمیص کے سوا اور کوئی قمیص انھیں پوری نہ آتی۔ اللہ کے رسول نے چاہا کہ اس کا یہ احسان دُنیا میں ہی اُتار دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تعلیم دی کہ اما السائل فلا تنھر کہ کسی سائل کو نہ جھڑکیے۔ اس لیے حضورؐ نے اس کے سوال کو رد نہ کیا۔ اور سب سے بڑی وجہ وہی تھی جو حضورؐ نے خود بیان فرمائی کہ اس قمیص کی وجہ سے اللہ ایک ہزار منافقوں کو دولت ایمان سے مالا مال فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے اور بڑی برکت کیا ہو سکتی ہے۔ یہاں ایک چیز خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ بدنصیب جس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی اور اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی لیکن صاحبِ ایمان کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اس کے لیے اگر اللہ کے محبوب کے ہاتھ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ۔ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے اور نہ تعجب میں ڈالیں آپکو انکے مال

وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا

اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انھیں ان سے دُنیا میں

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ

اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے کہ)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاقت والے

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجیے ہمیں تاکہ ہوں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ انھوں نے پسند کیا کہ ہو جائیں

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر ۱۲۷ تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

دُعا کے لیے اُٹھ جائیں تو مغفرت یقینی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نعمتِ ایمان نصیب فرمادے اور اس دنیا میں بھی اور روزِ حشر بھی حضور کی شفاعت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین ثم آمین۔ بجاہ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۲۷ یہ ان کی کم فہمی اور نادانی ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے، اپنے گناہ بخشوانے اور اپنے ایمان کو جلا دینے کا موقع دیا گیا تو انھوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ ابرِ رحمت آیا، برسا، اور سوکھے کھیتوں کو شاداب کر کے چلا گیا۔ لیکن ان کی کشتِ ایمان میں یونہی خاک اُڑتی رہی جیسے پہلے اڑ رہی تھی۔ اللہ کریم ہر انسان کو اس کی زندگی میں موقع دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سابقہ غفلتوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر سکے لیکن بعض بدنصیب اس سنہری فرصت کو بھی ضائع کر دیتے ہیں

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

لیکن رسول اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ انھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لیے ساری بھلائیاں ہیں ۱۲۸ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ع ۱۱ ۱۷

ان میں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور آئے بہانہ بنانے والے بدو ۱۲۹

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ

تاکہ اجازت مل جائے انھیں اور بیٹھ رہے وہ جنھوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچیگا

۱۲۸ منافقین کا رویہ تو یہ ہے کہ ہر سرفروشی کے موقع پر ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں لیکن ان کے برعکس رسول پاک اور اس کے صحابہؓ کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی رضاء کے لیے قربان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ دعا مانگتے ہیں کہ یہ سعادت انھیں نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے نیک بختوں کے لیے دین اور دنیا کی راحتیں اور عزتیں ہیں اور وہی دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ خیرات سے مراد دونوں جہانوں کی بھلائیاں ہیں۔ فالمعنی لھم منافع الدارین۔

۱۲۹ پہلے مدینہ میں بسنے والے مخلصین اور منافقین کا ذکر کیا گیا۔ اب اردگرد کے دیہاتیوں کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان میں کچھ تو سچے ایماندار ہیں ان کا ذکر تو اس رکوع کے آخر میں آتے گا۔ ومن الاعراب من یؤمن الخ اور ان کے علاوہ منافق ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جب انھیں جہاد کی دعوت دی گئی تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرنے لگے اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے کہ جنھوں نے جہاد کا حکم سنا تو اکڑ کر گھروں میں بیٹھ رہے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ چلو محض ظاہرداری کے لیے ہی کوئی عذر لنگ پیش کر دیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر ان کے کفر و عناد کی یہی حالت آخر دم تک رہی تو انھیں دردناک ابدی عذاب میں مبتلا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ

جنھوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ۔ نہیں ہے کمزوروں پر ۱۳۰

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

(اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ۱۳۱ نہیں ہے نیکوکاروں

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ

پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوتے آپ کے پاس

کر دیا جائے گا۔ اس صورت میں معذرون باب تفعیل سے ہوگا اور معذر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی حقیقی عذر نہ ہو اور پھر بھی وہ عذر پیش کرے۔ وھو الذی یعتذر ولا عذر لہ لیکن اخفش اور فراء وغیرہما علماء لغت ونحو نے کہا ہے کہ معذرون اصل میں معتذرون تھا۔ ت افتعال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں مدغم کر دیا اور معذرون ہو گیا اب اس کا معنی ہوگا صحیح عذر والے (قرطبی)۔ اور ان سے مراد عامر بن طفیل کا قبیلہ ہے جس نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اگر ہم حضورؐ کے ہمراہ جہاد پر جائیں گے تو بنی طے کے بدو ہماری بیویوں، بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر کے لوٹ لیں گے۔ حضورؐ نے ان کی اس صحیح معذرت کو قبول فرمایا۔

۱۳۰ یعنی جو لوگ حقیقتہً معذور ہیں وہ اگر جہاد میں شریک نہ ہو سکیں تو کوئی حرج نہیں۔

۱۳۱ نصیحت کا معنی ہے اخلاص۔ اسی وجہ سے خالص اور سچی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں۔ اور جب بات خلوص نیت سے کہی جائے تو کہتے ہیں نصح لہ القول۔ حضرت تمیم الداری سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ الدین النصیحۃ قلنا لمن؟ قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم (رواہ مسلم)۔ دین نصیحت کو کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کی کس کے لیے؟ تو فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے امراء کے لیے اور عام لوگوں کے لیے۔ اور یہاں بھی نصیحت کا معنی اخلاص ہے۔ علماء کرام نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کے لیے نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی توحید اور اس کی صفات کمالیہ پر خالص اعتقاد ہو اور اس کو نقص اور عیب سے پاک جانے۔ اور رسول کے لیے نصیحت کا یہ معنی ہے کہ اس کی رسالت کو

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ

تاکہ آپ سوار کریں انھیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمھیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا

بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں ۱۳۲ الزام تو

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ

بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے اس

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے۔

سچے دل سے مانے، اس کی فرماں برداری کرے، اس کی عزت و تکریم کرے، اور اس سے اور اس کے اہل بیت سے محبت کرے۔ اور مسلمانوں کے امراء کے لیے نصیحت سے یہ غرض ہے کہ ان کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ ان کو صحیح مشورہ دے اور اگر ان سے غفلت سرزد ہو تو انھیں متنبہ کر دے۔ اور عوام کو نصیحت کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ان کی صحیح رہنمائی کرے، سب کے لیے دعائے خیر مانگا کرے اور سب کی خیر خواہی میں کوشاں رہے (قرطبی)۔

۱۳۲ جب غزوۂ تبوک کی تیاری شروع ہو گئی تو وہ غریب و نادار مسلمان جن کے دلوں میں راہِ حق میں جان دینے کے ہزاروں ارمان مچل رہے تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم دل و جان سے جہاد کے لیے تیار ہیں لیکن ہم نادار ہیں، اتنی طاقت نہیں کہ سواری کا انتظام کر سکیں، از راہِ کرم سواری کا انتظام فرما دیجیے تاکہ ہم یہ سعادت حاصل کر سکیں۔ حضورؐ نے جب انھیں یہ بتایا کہ بیت المال میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمھاری سواری کا بندوبست کیا جا سکے تو انھیں اتنا صدمہ پہنچا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے۔ اور انھیں اپنی ناداری کا جتنا غم آج ہوا شاید ہی کبھی اتنا ہوا ہو۔ بجائے اس کے کہ وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے کہ آج افلاس کام آیا۔ اس گرم موسم میں دور دراز کی مسافت سے جان چھوٹی، اُلٹا وہ مغموم، دلگیر اور اشکبار ہیں۔ اس حقیقت کو کچھ وہی خوش نصیب سمجھ سکتے ہیں جن کو عشق و محبت کی مینا سے ایک دو جام ملے ہوں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

وہ بہانے پیش کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے ان کی طرف ۱۳۳ فرمایئے بہانے مت بناؤ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ

ہم نہیں اعتبار کریں گے تم پر، آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں پر اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ

عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تمہارا عمل اور اس کا رسول ۱۳۴ پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ

رِجْسٌ ۚ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ

ناپاک ہیں ۱۳۵ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں

۱۳۳ جب مسلمان غزوۂ تبوک سے مظفر و منصور ہو کر مدینہ طیبہ واپس آنے لگے تو اللہ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو منافقین تمہارے پاس آئیں گے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی کئی تاویلیں پیش کریں گے اور اس طرح تمہیں اپنے ایمان اور اپنے اخلاص کا یقین دلائیں گے لیکن تم انہیں صاف صاف کہہ دینا کہ اس مکر و فریب کو اب رہنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے نفاق اور خبث باطن پر مطلع کر دیا ہے اب ہم تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں۔

۱۳۴ اب تک جو تم نے کیا اس کی حقیقت کا تو ہمیں علم ہو گیا۔ اب بھی تمہیں اجازت ہے کہ تم اپنی اصلاح کر لو۔ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھے گا۔ اگر تمہارے اعمال نے تمہارے ایماندار اور مخلص ہونے کی تصدیق کر دی تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ خوب جان لو اس چند روزہ زندگی کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور وہ سب کچھ جاننے والا تمہیں تمہارے سب کرتوتوں پر آگاہ کر دے گا۔

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ

تمہارے لیے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں

عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ

ہوگا نافرمانوں کی قوم سے ۔ اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں ۱۳۶ اور حقدار ہیں

أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ

بڑا دانا ہے۔ اور بعض بدو ایسے ہیں جو ۱۳۷ یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے اور

بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾

منتظر ہیں تمہارے لیے (زمانہ کی گردشوں کے حقیقت میں) انہی پر ہے بری گردش ۱۳۸ اور اللہ تعالیٰ سمیع (و) علیم ہے۔

۱۳۵ اعراض کا مادہ آیت میں دو بار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) عفو و درگزر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لتعرضوا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فاعرضوا عنہم میں دوسرا معنی مقصود ہے یعنی منافق قسمیں اٹھائیں گے اور منت التماس کریں گے کہ ان کی غلطی معاف کر دی جائے۔ لیکن تمہیں یہی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ان سے قطع تعلق کرو چنانچہ حضور جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہ حکم دے دیا کہ لا تجالسوھم ولا تکلموھم: نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بات چیت کرو۔ اور قطع تعلق کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ انھم رجس یہ ناپاک ہیں۔

۱۳۶ منافقین مدینہ کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر دیہات میں بسنے والے بدوؤں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اپنی صحرائی زندگی، درشت عادات اور مرکز اسلام سے دور رہنے کے باعث ان کا کفر اور نفاق بہت سخت اور کرخت قسم کا ہے۔ بالکل نیم چڑھے کر لیے ہیں۔

۱۳۷ کیونکہ ان کے دلوں میں نفاق تھا اس لیے راہِ خدا میں جو پیسہ وہ خرچ کیا کرتے تھے بادل ناخواستہ خرچ کیا کرتے تھے۔ انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی جرمانہ یا تاوان ادا کر رہے ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا کیونکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ الٹا چڑ تھی۔ رضا الٰہی کا مفہوم انھیں معلوم ہی نہ تھا۔ ڈر کے مارے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا

اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور سمجھتے ہیں جو وہ

يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ

خرچ کرتے ہیں قربِ الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے ۱۳۹ ہاں ہاں وہ اُن کے لیے باعثِ قرب ہے۔

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ

ضرور داخل فرمائے گا انھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ۱۴۰ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور سب سے آگے

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانیوالے مہاجرین اور انصار سے اور جنھوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے

اور مسلم سوسائٹی سے چمٹے رہنے کی وہ قیمت ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ چندہ ایک جرمانہ اور تاوان ہی تھا۔ مغرماً معناہ غرماً واصلہ لزوم الشیٔ ومنہ ان عذابھا کان غراماً ای لازماً (قرطبی)۔

۱۳۸ دوائر جمع ہے دائرہ کی۔ اس کا معنی ہے اچھی حالت کا بُری حالت سے بدل جانا جسے ہم گردشِ زمانہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب تو وہ دل پر جبر کرکے کچھ نہ کچھ مالی امداد کر دیا کرتے ہیں لیکن دل ہی دل میں وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ کہیں گردشِ زمانہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرکے رکھ دے اور ہم یہ چندہ دینے سے صاف انکار کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گردشِ روزگار تو تمھیں ہی پیس کر رکھ دے گی۔ اسلام اور مسلمان تو دن بدن ترقی کرتے جائیں گے۔

۱۳۹ اب ان اعرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دل و جان سے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں جو مال خرچ کرتے ہیں اسے تاوان خیال نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا سبب سمجھتے ہیں یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس یقین سے خرچ کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور حضور رحمتِ عالم ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائیں گے اور حضورؐ کی دعا کی برکت سے انھیں اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کی نعمت حاصل ہوگی۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں لانھا الغایۃ القصوی وصلوات الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام من ذرائعھا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بلند ترین مقصد ہے اور حضور کی دعائیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہٗ لکھتے ہیں

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَ

بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۱۴۲ اور

"یہی فاتحہ کی اصل ہے کہ صدقہ کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا فاتحہ کو بدعت و ناروا بتانا قرآن و حدیث کے خلاف ہے" (خزائن العرفان)۔

۱۴۰ سین تحقیق و تاکید کے لیے ہے۔

۱۴۱ یہاں ان پاک ہستیوں (مہاجرین و انصار) کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی کی دعوت اس وقت قبول کی جب کہ اس کو قبول کرنا ہزاروں مصیبتوں اور تکلیفوں کو دعوت دینا تھا۔ اس وقت اسلام کی اعانت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا جب اسلام بڑی بیکسی کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر ناز ہے بلکہ ساری انسانیت کو ان پر فخر ہے جنھوں نے حق کو محض حق کے لیے قبول کیا۔ اور اس کو فروغ دینے اور مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اپنے وطن چھوڑے، اپنے خونی رشتے توڑے، اپنے سر کٹائے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر راضی ہو گیا اور اس کے ان بندوں نے جب دیکھا کہ ان کے رب کریم نے ان کی ان قربانیوں کو شرف قبول عطا فرمایا ہے تو وہ اس کی شان بندہ پروری اور ذرہ نوازی کو دیکھ کر راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی ابدی نعمتوں سے بھی انھیں سرفراز فرمایا اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود ہی اس دولت سے خوشنود ہوتے بلکہ قیامت تک جو بھی خلوص و دیانت سے ان کی پیروی کرے گا وہ بھی عنایاتِ ربانی کا مستحق ہو گا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی شان ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا نے خود اپنی کتاب مقدس میں بیان فرما دی۔ آپ ذرا سوچیں کہ جن کی توصیف وہ خود کرے، جن کے ایمان کا وہ خود گواہ ہو، جن کے جنت میں جانے کا وہ خود مژدہ سنائے ایسے پاک لوگوں کی شان میں ہمارا کچھ کہنا شیطان کا کتنا خطرناک دھوکا ہے۔ صحابہ کرام اس لیے تو شمع توحید پر پروانہ وار نثار نہیں ہوتے تھے کہ چودھویں صدی کا بے عمل مسلمان ان کی مدح و ستائش کرے۔ ان کے پیش نظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی خوشنودی تھی اور وہ انھیں حاصل ہو گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے بعد ساری دنیا بھی ان کی جناب میں گستاخیاں کرتی رہے تو اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے۔ البتہ ان لوگوں کی حرماں نصیبی قابل افسوس ہے جو صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکتے تھے لیکن انھوں نے ادھر سے منہ موڑ کر بلکہ ان لوگوں سے دشمنی کر کے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

وقف منزل

مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ

تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۖ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۖ سَنُعَذِّبُهُمْ

پکے ہو گئے ہیں نفاق میں ۱۴۲ تم نہیں جانتے ان کو۔ ہم جانتے ہیں انھیں ۱۴۳ ہم عذاب دیں گے انھیں

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

دو بار ۱۴۵ پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف ۱۴۶ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۗ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

کر لیا ہے اپنے گناہوں کا۔ انھوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

۱۴۲ اللہ تعالیٰ اپنے دستِ کرم سے حقیقی کامیابی کا تاج اپنے محبوب رسول کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں کی زینت بنا رہا ہے۔

۱۴۳ مرد کا معنی ہے پختہ ہو جانا۔ اصل المرد الملاسة ومنه صرح ممرد والامرد الذی لاشعر علی وجهه والمرداء الرملة التی لاتنبت شیئا۔ (قرطبی) یعنی نفاق کی جڑیں ان کے دلوں میں گہری چلی گئی ہیں اور ان کے تائب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں۔

۱۴۴ یعنی وہ اتنے ماہر منافق ہیں کہ اپنی بدباطنی اور دلی خباثت کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ کوئی بڑے سے بڑا زیرک بھی اس پر مطلع نہیں ہو پاتا۔ اور تو اور آپ بھی اپنے نفس کی صفائی اور فراست کی تیزی کے باوجود (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر) انھیں نہیں پہچان سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریب کاریاں پوشیدہ نہیں۔

۱۴۵ انھیں دو عذاب دیئے جائیں گے۔ پہلا عذاب تو یہ دیا گیا کہ انھیں رسوا کیا گیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة خطیبا فقال قم یافلان فاخرج فانك منافق اخرج یافلان فانك منافق فاخرجهم باسمائهم ففضحهم۔ فهذا العذاب الاول والعذاب الثانی عذاب القبر (روح المعانی وغیرہ من کتب التفسیر) یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے روز خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فلاں اٹھو یہاں سے نکل جاؤ تم منافق ہو۔ اے فلاں نکل جاؤ تم منافق ہو چنانچہ ان کے نام لے لے کر انھیں نکال دیا اور ان کو رسوا کیا۔ یہ پہلا عذاب تھا۔ دوسرا عذاب قبر میں ہوگا۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ان

يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

قبول فرمائے ان کی توبہ ۱۴۷ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (اے حبیب) وصول کیجیے ان

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ

کے مالوں سے صدقہ ۱۴۸ تاکہ آپ پاک کریں انھیں اور بابرکت فرمائیں انھیں اس ذریعہ سے نیز دعا مانگیے انکے لیے بیشک آپکی دعا

منافقین کا علم دے دیا تھا۔ اسی لیے تو حضورؐ نے جمعہ کے دن بھرے مجمع میں اُن کے نام لے لے کر نکل جانے کا حکم فرمایا۔ اور لا تعلمھم میں جو علم کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود بخود انھیں نہیں جانتے اور ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ حضورؐ کے پاس جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا ہے۔

۱۴۶ یعنی ان دونوں عذابوں کے بعد قیامت کا ابدی عذاب۔

۱۴۷ منافق جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے ان کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر غلط بہانے بنا کر پیش کرتے لیکن بعض ایسے لوگ بھی شریک نہ ہو سکے تھے جو سچے مومن تھے۔ انھوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا اور عفو و مغفرت کے لیے درخواست کی۔ ان کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔ روایات میں ہے کہ وہ دس آدمی تھے۔ جب حضورؐ بخیریت واپس تشریف لائے تو انھوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ حضور جب مسجد میں تشریف لے گئے تو ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول! انھوں نے قسم اٹھائی ہے کہ جب تک آپ اپنے دستِ مبارک سے انھیں نہیں کھولیں گے وہ یونہی بندھے رہیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا بخدا میں بھی انھیں اُس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انھیں کھولنے کا حکم نہیں دیگا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا۔

۱۴۸ جب انھیں کھول دیا گیا تو یہ سارا ساز و سامان اُٹھا کر لے آئے اور عرض کی اے نبی مکرم! اسی مال و متاع کی محبت کی وجہ سے ہم جہاد میں شریک نہیں ہو سکے اس لیے حضور اسے راہِ خدا میں تقسیم کر دیجیے۔ ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے تمھارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے دو حصے انھیں واپس کر دیے اور تیسرا حصہ خیرات کر دیا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مالِ زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو گناہ کے سرزد ہونے کے بعد انھوں نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے صدقہ کو قبول فرمائیے اور اس طرح ان کو گناہ کی نحوست سے پاک کیجیے اور ان کے دل کے آئینہ پر گناہ کا جو گرد و غبار ابھی باقی ہے اسے دُور فرما کر اسے صاف شفاف کر دیجیے۔ تطھر اور تزکی میں ضمیر خطاب کا مرجع حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ والاجود ان تکون الخاطبۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فانک تطھرھم وتزکیھم بھا۔ (قرطبی)

لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

دہزار تسکین کا باعث ہے انکے لیے ۱۴۹ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٥﴾

اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو۔ اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ وَ

اور فرمایئے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مومن ۱۵۰ اور

سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبردار کریگا تمہیں اس سے جو تم

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ

کیا کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ۱۵۱ ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم آنے تک۔ چاہے وہ عذاب

۱۴۹ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ الصلوٰۃ فی کلام العرب الدعاء یعنی اے حبیب! ان کے لیے دعا بھی فرمادیجیے۔ آپ کی دعا سے ان کے بیقرار دلوں کو تسکین اور بے چین اور مضطرب روحوں کو آرام نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم شکستہ دلوں، غفلت و کاہلی کے اسیروں، نفس شیطان کے دام فریب میں پھنسے ہوؤں کے لیے اگر امید کی کوئی کرن ہے تو یہی کہ اے چشم مصطفےٰ! تو ہم پر مائل بکرم ہوگی اے لب حبیب! تو ہماری آمرزش کے لیے وا ہوگا اور اے دست رحمت! تو چارہ سازی فرمائے گا صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وصفیہ محمد صاحب المقام المحمود وشفیع المذنبین وعلیٰ آلہ وصحبہ واولیاء امتہ الی یوم الدین۔

۱۵۰ علامہ اسمٰعیل حقی نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس کی توضیح اس طرح فرمائی ہے: قال فی التاویلات النجمیۃ ان لعمل المحسن وخلوصہ نورا یصعد الی السمٰوٰت بقدر قوۃ صدقہ واخلاصہ فاللہ تعالیٰ یراہ بنور الوھیتہ و روح الرسول علیہ السلام یراہ بنور نبوتہ وارواح المؤمنین یرونہ بنور ایمانھم: نیک بندوں کے مخلصانہ عمل کا ایک نور ہوتا ہے جو آسمان کی طرف اپنے صدق واخلاص کے اندازے کے مطابق بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے نور الوہیت سے، رسول اسے اپنے نور نبوت سے اور مومنین کاملین اسے اپنے نور ایمان سے دیکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٧﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا

دے انھیں اور چاہے توبہ قبول فرمالے انکی۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لیے ۱۵۲ کفر کرنے کے لیے

۱۵۱ ان سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں۔ کسی شرعی عذر کے بغیر یہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضورؐ نے حکم فرمادیا کہ ان کے ساتھ نہ کوئی گفتگو کرے اور نہ انھیں کوئی سلام کا جواب دے۔ آخر پچاس دن کے صبر آزما انتظار کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

۱۵۲ بنی خزرج کے ایک آدمی ابو عامر نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا اور ترکِ دنیا کرکے راہب بن گیا تھا۔ اس کی پارسائی کی بڑی شہرت ہوئی اور یثرب کے اکثر باشندے اس کے معتقد ہوگئے جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اسے محسوس ہوا کہ اب لوگوں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹتی جارہی ہے اور اس کے ارادتمند اب اسے چھوڑ کر شمعِ رسالت کے پروانے بنتے جارہے ہیں اپنی پیری کا چراغ بجھتا دیکھ کر وہ سیخ پا ہوگیا۔ حضورؐ نے اسے بھی دعوتِ اسلام دی۔ اس نے پوچھا آپ کونسا دین لے کر آئے ہیں حضورؐ نے فرمایا دینِ ابراہیمی۔

وہ کہنے لگا کہ آپ نے اس میں بہت سی چیزیں اپنی طرف سے بڑھادی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جوش میں آکر اس کی زبان سے نکلا ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا اسے اپنے وطن سے دُور غربت اور تنہائی میں ہلاک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا آمین۔ غزوۂ بدر میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتحِ عظیم عطا فرمائی تو یہ بیتاب ہوگیا اور مکہ میں پہنچکر اہلِ مکہ کو انتقام لینے کے لیے خوب اُکسایا۔ اور جب ان کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو یہ ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ میدانِ اُحد میں پہنچا تو اس خیال سے کہ جب وہ اپنے پرانے عقیدت مندوں کے سامنے ہوگا تو وہ اس کی طرف دوڑ کر چلے آئیں گے۔ وہ صفوں سے آگے بڑھ کر انصار کے قریب آکھڑا ہوا اور انھیں اپنے ساتھ آملنے کی دعوت دی۔ نورِ مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء دیکھنے کے بعد اب انصار اس منحوس کی شکل دیکھنا بھی بھلا کب گوارا کرتے تھے۔ انھوں نے اسے راہب کی بجائے فاسق کے لقب سے بلایا۔ اور اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ جھلا کر بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب جو قوم تیرے ساتھ جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ ہوں گا۔ چنانچہ غزوۂ حنین تک کفر و اسلام کی جتنی جنگیں ہوئیں یہ کفر کے ساتھ رہا اور ان کا سرغنہ بنا رہا جب ہوازن و ثقیف کے مشہور تیر انداز بھی شکست کھا گئے تو اسے یقین ہوگیا کہ اب جزیرۂ عرب میں کوئی ایسی قوت نہیں جو اسلام سے ٹکر لے سکے۔ قیصر کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے اس خیال سے وہ شام کی طرف روانہ ہوا کہ وہ قیصر کو مسلمانوں کے خلاف اُکسائے گا اور اسے ساتھ لے کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کرکے ان کی قوت کو ختم کرکے رکھ دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے منافقین کے حوصلے بلند کیے۔ اسی کی انگیخت پر قیصر نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی

وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور پھوٹ ڈالنے کے لیے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لیے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ

جھوٹے ہیں ۱۵۴ آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے

کا ارادہ کیا جس کی وجہ سے تبوک کا سفر پیش آیا شام سے اس نے منافقین کو لکھا کہ وہ ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں جہاں وہ تنہائی میں اسلام کے خلاف آزادی سے سازشیں کر سکیں اور نیز اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور جب وہ قیصر کے ہمراہ مدینہ آئے گا تو اس جگہ کو اپنی قیام گاہ بنائے گا چنانچہ قبا کی بستی میں جو مسجد حضور نے تعمیر فرمائی تھی اس کے قریب ہی انھوں نے یہ مسجد بنا دی۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے عرض کی یا رسول اللہ! قبا کی بستی میں ایک ہی مسجد تھی۔ رات کے اندھیرے میں اور برسات کے موسم میں بوڑھوں بیماروں اور کمزوروں کو وہاں جانے میں بڑی دقت ہوتی تھی اس لیے ہم نے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ ازراہِ مہربانی ایک مرتبہ اس میں نماز ادا فرما دیں تاکہ وہ بابرکت ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب تو تبوک کا سفر درپیش ہے واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دیکھا جائے گا۔ جب حضور بخیر و عافیت تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو پھر منافقین کا ایک وفد اپنی وہی عرضداشت لے کر حاضر ہوا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے رسول کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔ چنانچہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضور نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جا کر پیوندِ خاک کر دیں اور اسے آگ لگا دیں۔ چنانچہ فرمانِ نبوی کی تعمیل کی گئی۔

۱۵۳ یہ سارے کلمات مفعول لاجلہ ہیں یعنی اس مسجد کی تعمیر کا مقصد رضائے خداوندی نہیں بلکہ اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، اس میں بیٹھ کر کفر کو فروغ دینے کی تجویزیں سوچی جائیں اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کیا جائے نیز اس کی ایک ناپاک غرض یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ابو عامر آئے تو اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرے۔ ایسی عمارت کو ظاہر داری کی وجہ سے گو مسجد کہا جائے حقیقت میں تو یہ وہ ناپاک اور منحوس مکان ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے تاکہ اس کا نشان تک بھی باقی نہ رہے۔

۱۵۴ اے حبیب! ان خبیثوں کی قسموں پر اعتبار نہ کرنا۔ خدا گواہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ

وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں ۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

ستھرا رہنے کو ۱۵۵ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے ۔ تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں ۱۵۶ اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم

۱۵۵ حضور سرورِ عالم نے اہل قبا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظافت اور پاکیزگی کی تعریف کی ہے، تم میں کونسی خصوصیت ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ ہم قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ یہ ان کی نظافت طبعی کی دلیل ہے جب وہ اس معاملہ میں اتنے محتاط ہیں تو ان کے بدن اور لباس کی صفائی کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جسمانی صفائی اور نظافت کا خیال رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ اثنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی ھذہ الآیۃ علی من احب الطہارۃ وآثر النظافۃ وھی مروۃ آدمیۃ ووظیفۃ شرعیۃ (قرطبی) یعنی ظاہری نظافت انسانی مروت کا تقاضا بھی ہے اور شریعت کا حکم بھی۔ اور جو شخص صاف ستھرا رہتا ہے وہ اللہ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ معلوم نہیں ہم مسلمانوں نے گندا رہنے کو کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ ہمارے منہ سے بدبو، ہمارا جسم میلا کچیلا، ہمارا لباس غلیظ، ہماری بستیاں، محلے، گلی کوچے بلکہ گھر کے صحن اور سونے کے کمرے بھی بدبودار اور عفونت کا گڑھ! کیا ہم وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد کی یحبون ان یتطھروا کے شاندار الفاظ سے تحسین و آفرین کی گئی ہے۔

۱۵۶ یہاں دو مسجدوں کا فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ پہلی مسجد کی جن لوگوں نے بنیاد رکھی وہ متقی اور پرہیزگار تھے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے۔ ان کے پیش نظر مسجد کی تعمیر سے یہ مقصد تھا کہ یہ اسلام کا مرکز بنے اور مسلمان اپنے مولائے کریم کے سامنے سربسجود ہونے کے لیے اس میں جمع ہوں اس لیے اس کی دیواریں ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار کی گئی ہیں جو کبھی گر نہیں سکتیں لیکن اس کے برعکس دوسرا مکان جو مسجد کے نام سے تعمیر کیا گیا ہے اس کا مقصد کیونکہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی ہے اس لیے اس کی بنیادیں بہت کمزور ہیں اور ان میں اتنی تاب نہیں کہ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ

قوم کو ۔ ہمیشہ اُن کی یہ عمارت ۱۵۷ جو انھوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں

١٣ ع ١١ ٢

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى

مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

ایمانداروں سے ان کی جانیں ۱۵۸ اور اُن کے مال اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے

وہ چند روز بھی کھڑی رہ سکیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت وادی کے اس دہانے کے کنارے پر بنائی جائے جس کو سیلاب نے کھوکھلا کر دیا ہو۔ تشریح الفاظ: شفا، کنارہ۔ جرف، وہ دہانہ جس کو پانی کی موجوں نے اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیا ہو۔ یقال لمکان الذی یاکلہ السیل فیجرفہ ای یذھب بہ جرف (مفردات راغب)۔

علامہ قرطبیؒ نے خوب لکھا ہے کہ بقائے دوام صرف اس عمل کو میسر ہوتی ہے جو رضاء الٰہی کے لیے کیا جائے اور جو کام ریاکاری کے لیے کیا جائے وہ جلد ہی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ فی ھذہ الآیۃ دلیل علی ان کل شیئ ابتدئ بنیۃ تقوی اللہ تعالیٰ والقصد بوجھہ الکریم فھو الذی یبقی ویسعد بہ صاحبہ (قرطبی)

۱۵۷ یعنی جب تک موت کی ضرب کاری ان کے دلوں کو پارہ پارہ نہیں کر دیتی اس وقت تک اس سازش کے ناکام ہونے، اس مکان کے منہدم کرنے اور جلا دیئے جانے کی حسرت کا کانٹا ہمیشہ ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔ قال ابن عباس وقتادۃ ریبۃ ای شکا فی قلوبھم ونفاقا وقال الکلبی حسرۃ وندامۃ وقال السدی والمبرد حزازۃ وغیظا (قرطبی)

۱۵۸ ہماری جانیں اُسی نے پیدا فرمائیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اُسی کا دیا ہوا ہے۔ گویا ہماری جانوں اور اموال کا مالکِ حقیقی وہ خود ہی ہے۔ اس لیے وہ اگر ہر چیز لے لے تو کسی کو دم مارنے کی کیا مجال لیکن اس کی شانِ بندہ پروری ملاحظہ ہو کہ اپنی چیزوں کا ہمیں مالک قرار دیا اور پھر اس فانی زندگی اور ناپائیدار متاعِ دنیا کا خود خریدار بنا اور قیمت اتنی گراں عطا فرمائی جس کا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا یعنی جنت۔ جب ستر انصار مکہ میں آتے اور رات کو تنہائی میں حضور کریم کے دستِ مبارک پر وہ تاریخی بیعت کی جسے بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی اے اللہ کے نبی! جو شرط آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے ہم سے منوانا چاہتے ہیں منوا لیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ شرط ہے ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا کہ تم صرف اسی کی

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ

لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں ۱۵۹ اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے

حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اس پر پختہ وعدہ ۱۶۰ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے

عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے لیے یہ شرط ہے ان تمنعونی مما تمنعون منہ انفسکم واموالکم کہ جس چیز سے تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو۔ انصار نے عرض کی کہ اگر یہ شرطیں ہم نے پوری کر دیں تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرمایا جنت۔ اس وقت خوشی سے ان کے دل باغ باغ ہو گئے اور کہنے لگے ربح البیع لانقیل ولانستقیل یہ سودا تو بڑا نفع مند ہے۔ اب ہم اس سودے کو نہ خود توڑیں گے اور نہ اس کو توڑنے کی آپ سے خواہش کریں گے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

۱۵۹ اس خرید و فروخت کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی سے تمہاری جانیں قبض کر لی جائیں اور تمہارے مال و اسباب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا جائے جیسے عام طور پر خریدار خرید کردہ چیز کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ جب مالی قربانی کا موقع آئے تو تم بلا تامل اپنی عمر بھر کا اندوختہ پیش کر دو۔ جب میدان جہاد میں نکلنے کی باری آئے تو سر بکف حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری طرف سے یہ پختہ عزم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد خواہ تم صحیح و سلامت جہاد سے واپس آجاؤ تمہاری طرف سے سودا پورا ہو گیا اور تم اس معاوضہ کے حقدار بن گئے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اَنَا مِنْ بِالنَّفْسِ النَّفِيْسَةِ رَبَّهَا !	میں اس نفس نفیس کا سودا اس کے رب سے کرتا ہوں۔
وَلَيْسَ لَهَا فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ ثَمَنٌ	ساری کائنات میں اس کا اور کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔
بِهَا تُشْتَرَى الْجَنَّاتُ اِنْ اَنَا بِعْتُهَا	یہ اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس سے جنت خریدے جا سکتے ہیں۔
بِشَيْءٍ سِوَاهَا اِنَّ ذَالِكُمْ غَبَنٌ	اگر میں اس سے کم تر پر بیچوں تو بہت بڑا خسارہ ہے۔
لَاِنْ ذَهَبَتْ نَفْسِيْ بِدُنْيَا اَصَبْتُهَا	اگر میں نے اپنی جان دنیا کے حصول میں ضائع کر دی۔
فَقَدْ ذَهَبَتْ نَفْسِيْ وَقَدْ ذَهَبَ الثَّمَنُ	تو میں نے اپنے نفس کو بھی برباد کر دیا اور قیمت بھی ضائع کر دی۔

۱۶۰ یہ ایسا وعدہ نہیں جس کے پورے نہ کیے جانے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ یہ پختہ وعدہ ہے اور اس کا ذکر صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ سابقہ کتب سماویہ، تورات، انجیل میں بھی صراحۃ موجود ہے۔ آیت کے اس حصہ پر عیسائی عالموں نے سخت اعتراض کیے ہیں۔ چنانچہ وہری (WHERRY) برنک مین (BRINK - MAN) کا حوالہ دیتے ہوئے

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو

الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

سب سے بڑی فیروزمندی ہے۔ توبہ کرنیوالے، (اللہ کی) عبادت کرنیوالے، حمد وثنا کرنیوالے ١٦١ روزہ رکھنے والے، رکوع کرنیوالے

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور

الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ

نگہبانی کرنیوالے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی (اے میرے رسول!) خوشخبری سنا دیجیے ان (کامل) مومنوں کو۔ درست نہیں ہے نبی کے

کہتا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا حق وصداقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور اس نے اس کا بڑی شدومد سے انکار کیا ہے کہ اس قسم کے وعدے کا ذکر تورات وانجیل میں آیا ہو۔ باوجود اس بات کے کہ تورات وانجیل اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں رہیں اور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی تحریفیں رُونما ہوگئی ہیں اس لیے موجودہ بائبل میں اگر اس معاہدہ کا ذکر نہ ملے تو بھی محل اعتراض نہیں لیکن خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ اس محرّف انجیل میں بھی متعدد ایسی آیات آج بھی موجود ہیں جو کہ اس آیت کے مضمون کی تصدیق کرتی ہیں۔

"اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کردو اور اپنے لیے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا جہاں چور نزدیک نہیں جاتا اور کیڑا خراب نہیں کرتا کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہے گا" (لوقا ١٢: ٣٣، ٣٤)۔

نیز متی کی انجیل میں مرقوم ہے۔

اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں ..... یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا (متی ١٩: ٢٩)۔

١٦١ مومنین کاملین کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ التائبون سے لیکر الآمرون تک متعدد صفات کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں حرف عطف نہیں استعمال ہوا لیکن والناھون سے پہلے حرف عطف لانے کی کیا وجہ ہے۔ مفسرین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں (١) ایسے مواقع پر حرف عطف کا ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہیں اس لیے یہاں مزید کسی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى

لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

ہوں جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں ۱۶۲ اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے

اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ

باپ کے لیے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انھوں نے اس سے کیا تھا۔ اور جب ظاہر ہو

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ

گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے ۱۶۳ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے

توجیہ کی ضرورت نہیں (۲) الناھون کا الآمرون پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں مل کر ایک مکمل صفت بنتے ہیں (۳) اور علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قریش کی لغت یہ ہے کہ سات کے عدد تک حرف عطف ذکر نہیں کرتے اور جب آٹھواں ذکر کرتے ہیں تو پھر حرف عطف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ الناھون کیونکہ آٹھویں وصف ہے اس لیے واؤ کا اضافہ کر دیا۔ ومتی جاء فی کلامھم امر ثمانیۃ ادخلوا الواو وقلت ھی لغۃ قریش (قرطبی)۔

۱۶۲ جب انسان فوت ہو جاتے تو زندوں پر اس کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے طلب مغفرت کرتے رہیں تاکہ ان کے استغفار سے پروردگار عالم اس میت کو بخش دے لیکن یہاں واضح طور پر بیان کر دیا کہ مغفرت صرف ان کے لیے ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اور جو کفر و شرک کی حالت میں مرے ہوں ان کے لیے مغفرت کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں حکم دیا کہ جن کے متعلق تمہیں علم ہو کہ وہ حالت کفر میں مرے ہیں ان کے لیے کسی کو دعائے مغفرت نہ کرنی چاہیے۔ وہ تمام روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کریں کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تھا۔ ان پر بیہقی زماں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات ضعیف اور معلول ہیں اس لیے قابل سند نہیں۔ وما یدل علی ان الآیۃ نزلت فی آمنۃ ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعبد اللہ ابیہ لا یصلح منہا شیٔ۔ علامہ پانی پتی نے حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے وقد تاملتہا (الطرق) فوجدتہا کلہا معلولۃ (مظہری) میں نے ان روایات کے سارے طریقوں میں غور کیا ہے اور سب کو معلول (قابل اعتراض) پایا ہے۔

اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور نہیں ہے ١٦٤ اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کردے ١٦٥ کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کردے

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

ان کے لیے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں

علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن میں ماکان کا استعمال دو معنوں میں آیا ہے بمعنی نفی جیسے وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ اور بمعنی نہی جیسے یہ آیت (قرطبی)۔

١٦٣ آیت سابقہ میں مرے ہوئے کافروں کے لیے دعائے مغفرت سے منع کردیا گیا۔ یہاں اس وسوسہ کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ اگر حکم یہ ہے تو پھر حضرت خلیلؑ نے آزر کے لیے مغفرت کی دعا کیوں کی۔ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے آزر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں گے اور اس وقت آپ کا یہی خیال تھا کہ شاید اسے ایمان لانے کی توفیق عنایت ہوجائے لیکن جب وہ کفر پر ہی مرگیا تو آپ اس سے بری الذمہ ہوگئے۔ لابیہ سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور حضور کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ لابیہ یعنی آزر وکان عمًا لابراھیم علیہ السلام وکان ابراھیم ابن تارخ وقد صح من النبی اللہ قال بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت فی القرن الذی کنت فیہ رواہ البخاری فلا یمکن ان یکون کافر فی سلسلۃ آبائہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: ابیہ سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ نیز حضورؐ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لیے ناممکن ہے کہ حضورؐ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر گزرا ہو (تفسیر مظہری)۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں "یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا۔ (ترجمان القرآن، جلد ٢ - ١١٦ - از آزاد)۔

١٦٤ سابقہ آیات کے نزول سے پہلے مسلمان اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو اندیشہ ہوا کہ آج تک جو ہم ان مشرکوں کے لیے استغفار کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے خدا کی ناراضگی کا شکار نہ ہوجائیں۔ ان کے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ کوئی کام اس وقت گناہ ہوتا ہے جب یہ علم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کرنے سے منع فرمادیا ہے اور جب تک یہ پتہ نہ چلے اس وقت تک یہ عمل گناہ نہیں ہوتا۔

١٦٥ باب افعال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی راہ راست پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے سیدھی راہ سے ہٹا کر

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾

اور زمین کی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے

اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ

پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے

مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ

ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنیوالا رحم فرمانے والا ہے۔ اور ان تینوں پر بھی

غلط راہ پر چلا دے بلکہ یہاں اضلال بمعنی ان یحکم علیہم بالضلال یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے یہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حکم عدولی اور نافرمانی کی وجہ سے انسان رفتہ رفتہ گمراہی کی عمیق غار میں جا گرتا ہے۔ ففی ھذا اول دلیل علی ان العاصی اذا ارتکب وانتھک حجابھا کانت سببا الی الضلالۃ والردی و سلما الی ترک الرشاد والھدی (قرطبی)۔

[١٦٦] عُسرۃ کہتے ہیں تنگی اور شدت کو۔ ساعۃ عُسرۃ سے مراد غزوہ تبوک کا زمانہ ہے جبکہ مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر بڑا طویل اور کٹھن تھا۔ قیصر روم کے لشکر جرار سے مقابلہ تھا۔ سواریوں کی ازحد قلت تھی۔ یہاں تک کہ دس آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری وہ سوار ہوتے تھے۔ راشن بھی کم تھا۔ ایسا وقت بھی آیا جب دو آدمیوں کو صرف ایک کھجور پر رات دن بسر کرنا پڑا۔ پانی اتنا کمیاب تھا کہ سواری کے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ میں جو پانی ہوتا اس سے اپنی پیاس کو بجھایا کرتے۔ ایسے مشکل وقت میں منافقین کو تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنا ہی تھا، حالات کی سنگینی کی وجہ سے بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی شریک سفر نہ ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں سے اس شیطانی وسوسہ کو نکال دیا۔ اور محض توفیق الٰہی کی یاوری سے وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ انھیں میں سے ایک ابو خیثمہ تھے یہ بھی مخلص مومن ہونے کے باوجود حضورؐ کے ہمرکاب جہاد پر روانہ نہ ہوتے۔ ایک روز جب دوپہر کے وقت گھر آئے اور دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر کے نیچے چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں رکھی ہوئی

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

(نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین ۱۶۷ باوجود کشادگی

ہیں اور لذیذ کھانا تیار ہے تو کچھ سوچ کر دہلیز پر ہی رک گئے اور اپنے دل سے کہنے لگے صد حیف! اللہ تعالیٰ کا محبوب تو چلچلاتی دھوپ اور گرم لُو میں سفر کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہو اور ابو خیثمہ کے لیے ٹھنڈی چھاؤں میں پلنگ بچھا ہوا ہو۔ اس کے پینے کے لیے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لیے لذیذ کھانا موجود ہو۔ اور دو خوبرو بیویاں اس کی خدمت گزاری میں مصروف ہوں بخدا یہ انصاف نہیں۔ پھر انھوں نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ابو خیثمہ جب تک اپنے حبیب کے ساتھ جا کر نہ ملے وہ اب ٹھنڈے سایہ میں نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ اونٹنی پر سوار ہوتے اور تبوک کی راہ لی۔ جب وہ کچھ نزدیک پہنچے تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ سوار تو ہماری طرف آتا معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کن ابا خیثمہ۔ یہ ابو خیثمہ ہو گا۔ جب وہ قریب ہوئے اور صحابہ نے پہچانا تو عرض کی واللہ ھو ابو خیثمہ بخدا یہ تو ابو خیثمہ ہی ہے۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنا قصہ عرض کیا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

۱۶۷ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے جن تین صحابہ کا ذکر ہو رہا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جو روایت مندرج ہے جس کے راوی خود حضرت کعب ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

جن دنوں غزوۂ تبوک کے لیے تیاری ہو رہی تھی میری صحت اور میری مالی حالت بہت اچھی تھی۔ میرے پاس سواری کے لیے دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پیشتر کبھی میرے پاس سواری کے لیے دو جانور جمع نہیں ہوئے تھے۔ جمعرات کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ چند ضروری کاموں سے جلدی جلدی فارغ ہو کر میں لشکر کے ساتھ جا ملوں گا۔ ایک دن بھی گزر گیا لیکن مجھے ان کاموں سے فراغت نہ ہوئی۔ دوسرا تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا لیکن میں فارغ نہ ہوا جب کئی دن گزر گئے تو میں نے خیال کیا کہ اب تو لشکر بہت دور چلا گیا ہو گا اور اب میرا جانا بے سود ہے۔ چنانچہ میں نے پیچھے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں بازار جاتا تو مجھے ان لوگوں کے سوا جو نفاق کی تہمت سے متہم تھے یا جو معذور تھے اور جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے اور کوئی مسلمان دکھائی نہ دیتا۔ مجھے اس حرماں نصیبی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک بار خیال آیا بھی کہ اگرچہ تاخیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی چلا جاتا ہوں۔ کاش! میں ایسا کرتا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے بخیر و عافیت مراجعت فرمانے کی اطلاعیں آنے لگیں۔ مجھے رنج و غم نے آلیا۔ میں سوچنے لگا کہ بارگاہ رسالت میں اپنی اس غیر حاضری کے لیے کیا عذر پیش کروں۔ خود بھی غور و فکر کیا کرتا اور دانشوروں سے بھی مشورہ لیا کرتا۔ حضورؐ جب مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو یکایک تذبذب کی کیفیت جاتی رہی اور دل میں ٹھان لی کہ سچ سچ عرض کر دوں گا۔ اور اس بارگاہ میں اگر پناہ مل سکتی ہے تو سچ سے ہی مل سکتی ہے۔

جھوٹ بول کر تو اپنے آپ کو رسوا ہی کرتا ہے۔ حضور کریمؐ کی سنتِ مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو نفل پڑھا کرتے اس کے بعد حضرت خاتونِ جنت کے ہاں قدم رنجہ فرماتے اور اس کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں کو زینت بخشتے۔ جب نبی رحمت مسجد میں تشریف لے آئے اور نفلوں سے فارغ ہو کر بیٹھے تو منافقین گروہ در گروہ حاضر ہو کر جھوٹے بہانے پیش کرنے لگے اور نبی کریمؐ ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کو تفویض کر کے ان کی ظاہر عذر داریوں کو قبول فرماتے۔ مجھے بھی بعض لوگوں نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی حرماں نصیبی کی سچی سچی داستان عرض کر دی۔ حضورؐ نے میری عرضداشت سن کر فرمایا اما ھذا فقد صدق فقم حتی یقضی اللہ فیک بما یشاء: اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ جاؤ اٹھو تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کتنی لوگوں نے مجھے بڑی سرزنش کی کہ تم نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔ میں نے خیال کیا کہ واپس جا کر کوئی عذر پیش کروں لیکن پھر معاً یہ خیال آیا کہ ایک گناہ تو یہ کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں کہ بارگاہ نبوت میں جھوٹ بولوں۔ میں یہ جرأت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ کسی اور کو بھی اس قسم کا حکم ملا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کو بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے لوگوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اب ہمارے ساتھ نہ کوئی ہمکلام ہوتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا کوئی جواب دیتا تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ وہ لوگ ہی نہیں جو پہلے تھے اور جن کو ہم جانتے تھے۔ یہ وہ دیس ہی نہیں ہے جس میں ہم نے عمر گزاری بلکہ یہ کوئی نیا دیس ہے جس کے کوچہ و بازار اور در و دیوار ہمارے لیے بالکل غیر مانوس ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آ گئی اور نبی کریمؐ نے نماز جنازہ نہ پڑھائی تو کیا بنے گا۔ میرے دو دوسرے ساتھی تو رات دن گریہ زاری میں گزار دیتے۔ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ انھوں نے تو باہر نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔ میں کبھی کبھی بازار آتا لیکن نہ کوئی مجھے سلام کہتا اور نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک دن میں لوگوں کی سرد مہری سے مایوس ہو کر اپنے چچازاد بھائی ابی قتادہ کے پاس چلا گیا جو اس وقت اپنے باغ میں تھا مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام دیا اس نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا اے بھائی کیا تمھیں علم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ چپ رہا۔ میں نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا وہ بولا تک نہیں۔ آخر چوتھی بار جب میں نے اسے یہی بات کہی تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اس وقت بے اختیار میرے آنسو بہ نکلے اور میں وہاں سے شکستہ دل ہو کر چلا آیا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا تو ایک نبطی مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے اشارہ سے اسے میری طرف متوجہ کیا کہ یہ کعب ہے جسے تم تلاش کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھے ایک خط دیا یہ خط غسان کے بادشاہ نے میری طرف بھیجا تھا۔ اس نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت جفا کی ہے اور تیرے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو ایسا نہیں کہ تیری توہین کی جائے۔ تو میرے پاس آ جا، دیکھ میں کس طرح تیری قدر دانی کرتا ہوں۔ یہ پڑھ کر میں آگ بگولا ہو گیا اور میں نے اس خط کو نذرِ آتش کر دیا اور اسے کہا کہ اپنے بادشاہ کو کہنا اس خط کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ میں نے دل میں کہا میری بدبختی ملاحظہ ہو کہ اب ایک کافر کو یہ جرأت ہو رہی ہے

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ

کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انھوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی

اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ ع

ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بکرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانیوالا اور ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ

اے ایمان والو! ١٦٨ ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔ نہیں مناسب

کہ میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالے۔ اس رنج و غم میں چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے الگ رہیں چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں جایا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو سلام عرض کیا کرتا۔ اور پھر یہ دیکھا کرتا کہ کیا لب مبارک کو جنبش ہوتی ہے۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو بکیں نواز آقا اپنی نگاہ لطف کو میری طرف مبذول فرماتے اور جب میں فارغ ہوتا تو اعراض فرما لیتے۔ یہ لمحے میرے لیے بڑے صبر آزما تھے۔ پچاسویں رات کو ہماری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ صحابہ دوڑے ہوئے مبارک دینے آئے۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا وہ حمزہ الاسلمی تھے۔ میں نے فرط مسرت میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ پھر میں بارگاہ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوا۔ احباب جوق در جوق مبارک دینے کے لیے آ رہے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو فرمایا جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے مبارک ہو۔

١٦٨ ان تین پاکبازوں کے ذکر کے بعد جنھوں نے منافقوں کی طرح اللہ کے رسول کی جناب میں جھوٹ بولنے کی گستاخی نہیں کی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی نگاہ لطف و کرم ان کی طرف مائل ہوئی اور اس کا ابر رحمت ان پر برسا اور ان کی کشت ایمان کو شاداب کر گیا۔ اب عام مسلمانوں کو انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کیونکہ تحقیق کا میلان یہی ہے کہ انسان سے خطا ہو جاتے تو اعتراف جرم اور اظہار ندامت کے بعد عفو و درگزر کی التجا کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سچے اور نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنے کی بھی اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی یہ حدیث پاک بھی یقیناً مفید ہوگی اس لیے اسے بھی تحریر کیے دیتا ہوں۔ فرمایا: علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنۃ وما یزال رجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیق: ہمیشہ سچ بولا کرو۔ سچ بولنا نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور انسان جب سچ بولتا رہتا ہے اور

لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

تھا مدینہ والوں کے لیے ١٦٩ اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ

رسول پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان سے بے فکر ہو کر۔ یہ اس لیے کہ

بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

نہیں پہنچتی انھیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف ١٧٠ اور نہ بھوک راہِ خدا میں

اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ

اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آتے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے

نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لیے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً

نیکوں کا اجر۔ اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ

سچ بولنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کو صدیق کا لقب عطا فرما دیا جاتا ہے۔

١٦٩ یعنی اہلِ ایمان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ تو آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا رسول سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتا، موسم کی ناسازیوں کا مقابلہ کرتا، جہاد کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جا رہا ہو۔ یہ حکم قیامت تک ہے جب بھی خلیفۂ وقت جہادِ عام کا حکم فرما دے تو سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے جہاد کے لیے نکلیں۔ یہاں بھی ما کان نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جس طرح پہلے گزرا۔

١٧٠ اس آیت سے بھی جہاد میں شرکت کرنے کی مزید رغبت دلائی جا رہی ہے کہ جب وہ جہاد میں نکلیں گے تو چھوٹی بڑی جو تکلیف انھیں پہنچے گی اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجرِ عظیم دے گا تو پھر خدا کی رحمت میں حصہ دار بننے کے لیے وہ اس جسمانی تکلیف کو برداشت کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ کیوں کریں۔

وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا

اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لیے تاکہ صلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین، ان

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا

کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے ۱۷۱ تو کیوں نہ

نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ

نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور

لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ ع يٰٓاَيُّهَا

ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ نافرمانیوں سے بچیں ۱۷۲ اے

۱۷۱ جس دین کا مقصد دل کی دنیا بدلنا ہو اور انسان کی زندگی کے کارواں کے لیے ایک بلند منزل متعین کرنا اور اس تک پہنچنے کی تڑپ پیدا کرنا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جو اس دین کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف ہوں جو اس کے اغراض و مقاصد کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اور دوسروں کو سمجھانے اور ان کے دل نشین کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ اس چیز کی اہمیت کے پیش نظر ان آیات کے درمیان جن میں جہاد کی ترغیب اور جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے ایک ایسی آیت بیان فرمائی جس میں دین کے اس مقصد اعلیٰ کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ مسلم آبادی کے وہ علاقے جو دینی اور علمی مرکزوں سے دور ہیں وہاں سے چند طالبان علم ان مرکزوں میں آئیں اور عالمان دین کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر دین کی صحیح سمجھ پیدا کریں اور جب فیض صحبت سے ان کے دلوں میں نور بصیرت پیدا ہو جائے تو پھر اپنے اپنے دور افتادہ وطنوں کی طرف لوٹ آئیں اور وہاں کے رہنے والوں میں احکام اسلام کی تبلیغ کریں تاکہ امت مسلمہ کا ہر فرد اپنے دین کی روح سے واقف ہو اور اس کے احکام سے باخبر ہو تاکہ بے علمی کی وجہ سے ان کا رابطہ اسلام کے ساتھ کمزور نہ ہو جائے اور جہالت کے باعث مسلم سوسائٹی میں اخلاقی اور اعتقادی بے اعتدالیاں رونما نہ ہونے لگیں۔ من کل فرقۃ منھم طائفۃ (کہ ہر جماعت میں سے چند افراد) کے الفاظ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد اپنا گھر بار چھوڑ کر طلب علم میں مصروف ہو جائے کیونکہ اس طرح تو نظام اجتماعی درہم برہم ہو جائے گا۔ تجارت، زراعت، صنعت وغیرہ سب میں خلل واقع ہو جائے گا بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ ہر بستی سے چند افراد حصول علم دین اور تبلیغ و اشاعت کے کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ

ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے ۱۷۳ اور چاہیے کہ وہ پائیں تم

غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

میں سختی ۱۷۴ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۱۷۵ اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ

۱۷۲ ان لوگوں کے حصول علم کا مدعا صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ واپس آکر اپنے علم و عرفان کی شمع سے ہر گھر میں اجالا کر دیں۔ جہاں کہیں اعتقادی اور عملی تاریکی کا سراغ پائیں اپنے نور کا رُخ ادھر موڑ دیں۔ اسلام نے علم اور اس کی ترویج کے لیے جتنا اہتمام فرمایا ہے قرآن کے صفحات اور احادیث کے دفاتر اس سے لبریز ہیں۔ اور انہی ارشادات کی برکت تھی کہ عرب کے گنوار اور جاہل دیکھتے دیکھتے اقوام عالم کے امام بن گئے جہاں ان کی عظمت کا جھنڈا گڑا وہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ کوہ و دمن میں جہاں کہیں وہ خیمہ زن ہوئے مسجد و مدرسہ کے بلند مینار معرفت کی تجلیاں بکھیرنے لگے۔ صاحب قرطبیؒ لکھتے ہیں ھذہ الآیۃ اصل فی وجوب طلب العلم: یہ آیت طلب علم کی فرضیت کی دلیل ہے۔ حضور کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے من سلک طریقا یلتمس فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا الی الجنۃ وان الملائکۃ لتضع اجنحتہا رضا لطالب العلم۔ الخ (ترمذی)۔ جو شخص حصول علم کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور طالب علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: فضل العالم علی العابد کفضلی علی امتی: جس طرح مجھے میری امت پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عالم کو عابد (جو عالم نہ ہو) پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۷۳ یعنی سب سے پہلے ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب بستے ہیں اس کے بعد جو ان کے قریب بستے ہیں۔ اسی طرح الاقرب فالاقرب کے اصول پر جہاد کا سلسلہ جاری رہے۔ کیونکہ اسلامی جہاد کا مدعا قتل و غارت تو ہوتا نہیں بلکہ یہ ناصحانہ تنبیہ اور سرزنش کے مترادف ہے اس لیے اس شفقت کے حقدار قریبی لوگ ہیں۔ نیز اپنے پڑوس میں فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکتا ہوا چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں کی طرف متوجہ ہو جانا کوئی آئین دانشمندی نہیں۔ یہ آستین کے سانپ کسی وقت بھی ڈس کر ساری فتوحات کو شکست میں بدل سکتے ہیں۔

۱۷۴ یعنی جب میدان جہاد میں نکلو تو اپنی قوت و سطوت کا پورا مظاہرہ کرتے ہوئے جاؤ۔ اور جب تمہاری تلواریں بے نیام ہوں تو دشمن پر یوں بھرپور وار کرو کہ ان کے فولادی خودوں اور زرہوں کو کاٹتی ہوئی نکل جائیں تاکہ دوبارہ انہیں للکارنے کی ہمت نہ ہو۔ غلظہ کا معنی ہے سختی، قوت اور جوش و خروش۔ ای شدۃ وقوۃ وحمیۃ (قرطبی)۔

قرآن حکیم نے جابجا مومن کی یہ شان بیان کی ہے کہ وہ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بڑا نرم خو اور حلیم الطبع ہوتا ہے

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان تو وہ (سن لیں)

اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں ۱۷۶ اور جن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا

(نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورۃ نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مر گئے اس

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

حال میں کہ وہ کافر تھے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے ۱۷۷ کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار

لیکن اسلام کے دشمنوں کے سامنے وہ بپھرا ہوا شیر ہے جس کی گرج سے سینوں میں دل پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ؎ جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

۱۷۵ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے اور جس کے شاملِ حال اللہ تعالیٰ کی نصرت ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت نیچا نہیں دکھا سکتی۔ اس لیے کفر و باطل کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ تم میرے احکام کی بجا آوری میں سستی نہیں کرتے اس لیے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کامیابی کا سہرا تمہارے سر پر باندھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی راہ پر چلائے اور اپنی اعانت اور نصرت سے ہماری چارہ سازی فرمائے آمین ثم آمین

۱۷۶ کیونکہ منافقین کے پتھر کی طرح سخت دلوں پر آیاتِ قرآنی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ نزولِ قرآن کے سلسلہ کو بے سود سمجھتے تھے۔ جب کبھی کوئی نئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو وہ ازراہِ مذاق اپنے دوستوں سے پوچھتے کہ سناؤ جی یہ جو نئی سورۃ اتری ہے اس سے تمہارے ایمان میں کتنی ترقی ہوئی؟ ان کے اس مذاق کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے مردہ لوگو تمہیں اس حیات بخش پیغام کی کیا قدر؟ اے کورچشمو! تمہیں اس نورِ حق کی تابانیوں کی کیا خبر؟ اس کی تاثیر پوچھنی ہو تو اہلِ ایمان سے پوچھیے جن کی روح زندہ ہے اور چشمِ بصیرت بینا ہے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اس ابرِ رحمت نے ان کی کشتِ ایمان کو کس طرح شاداب کر دیا ہے۔ ان کے دل آج خوشی سے لبریز ہیں اور ان کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک رہے ہیں

۱۷۷ منافقین جو غفلت اور عناد کا شکار تھے ان کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے سال میں متعدد بار انھیں ایسے

أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ

یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں ۔ اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی

سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ

ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف ۱۷۸ کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل

انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

دیتے ہیں ۔ پھیر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے ۱۷۹

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول ۱۸۰ تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا

حالات سے دوچار کر دیا جاتا جو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیتے ۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں ناکامی سے ہمکنار ہوتیں ۔ بے سروسامانی کے باوجود مسلمان ہر میدان میں اپنے طاقتور دشمنوں کو شکست پر شکست دیتے چلے جاتے حضورؐ کی ذاتِ پاک سے ایسے ایسے معجزات رونما ہوتے جن کے دیکھنے کے بعد حضورؐ کی صداقت کا یقین ہو جاتا اس کے علاوہ انھیں طرح طرح کی تکالیف اور مالی خساروں میں مبتلا کیا جاتا تاکہ یہ غفلت کی نیند سے بیدار ہوں لیکن انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوتی ۔

۱۷۸ جب حضور سرورِ عالمؐ پر وحی نازل ہوتی اور یہ منافق اس مجلس میں ہوتے تو ان کا جی چاہتا کہ کسی بہانے یہاں سے بھاگ نکلیں ۔ ایک تو انھیں قرآن سے کوئی دلچسپی نہ تھی دوسرا انھیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسی آیتیں نہ اتریں جن میں ان کو رسوا کیا گیا ہو ۔ اگر یونہی اٹھ کر چلتے ہیں تو اپنے نفاق کا راز فاش ہونے کا خطرہ ہے ۔ اس لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے میں یوں مستغرق ہیں کہ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہیں تو اس وقت وہ خاموشی سے کھسکنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو کانوں کان ان کے چلے جانے کی خبر بھی نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے میرے محبوب رسول کی بارگاہ سے منہ موڑا تو ہم نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے موڑ دیا ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم کے الفاظ بڑے غور کے مستحق ہیں ۔

۱۷۹ ان کی کم عقلی اور نادانی کا اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا تھا کہ نبی رحمت تشریف لایا اور اس نے اپنا دامنِ کرم پھیلا دیا اور وہ کم نصیب اس سے دور ہی دور بھاگتے رہے ۔ جاں بلب مریض کی بالیں پر مسیحا امرت کا جام ہاتھ میں

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، بہت رحم فرمانیوالا ہے ۱۸۱ (اے حبیب!) پھر

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ

اگر منہ موڑیں تو آپ فرما دیں ۱۸۲ کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

عرش عظیم کا مالک ہے۔

لیے آکھڑا ہوتا ہے اور منتیں کرتا ہے کہ ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتار لو صحتیاب ہو جاؤ گے لیکن وہ بضد ہے کہ مرنا منظور ہے لیکن یہ دوا نہیں پیے گا۔ وہ دین آیا جو ان کو دنیا بھر کا امام بنانا چاہتا ہے اور وہ حجر و شجر کی بندگی پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ ان کو کتاب مقدس دی گئی جس کی ہر سطر سے علم و عرفان کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہو رہا ہے اور وہ جہالت کے اندھیروں سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔ ان کی انھیں احسان ناشناسیوں کی سزا انھیں یہ دی گئی کہ ان کے دل کی آنکھ بے نور کر دی گئی۔ فہم و فراست کا جوہر ان سے چھین لیا گیا اور ہلاکت و بربادی کی جس پستی میں وہ گرنا چاہتے تھے اس میں انھیں گرنے دیا گیا۔

۱۸۰ کُمْ کی ضمیر کا مرجع بعض نے اہل العرب کو قرار دیا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے جو علامہ قرطبیؒ نے زجاج سے نقل کیا ہے۔ ھی مخاطبۃ لجمیع العالم۔ سارے جہان کو خطاب ہے کیونکہ حضور سب انسانوں کے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔ رسول میں تنوین تعظیم کی ہے عنت کہتے ہیں مشقت و شدت کو۔ یہاں ما یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی ہر وہ چیز جس سے اے اولاد آدم تمہیں تکلیف پہنچتی ہو وہ حضور کے قلب رحیم پر بھی گراں گزرتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے تمہارا بھلا ہو اس کے حضور بہت خواہشمند ہیں لقت کے ساتھ اپنے آقا کا جو رشتہ محبت و الفت ہے اس کا بیان ان پاکیزہ الفاظ سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ عزیز علیہ ان تدخلوا النار و حریص علیکم ان تدخلوا الجنۃ۔ ۱۸۱ جب سارے نوع انسانی کے ساتھ اس نبی اکرم کا یہ رشتہ ہے تو اپنے ان غلاموں پر آپ کا سحاب جود و کرم کس طرح برستا ہوگا اس کا اظہار ان کلمات سے فرمایا رؤف مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے البالغ فی الرافۃ والشفقۃ وقال الحسین بن فضل لم یجمع اللہ لاحد من الانبیاء اسمین من اسمائہ الا للنبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال عبد العزیز بن یحیی عزیز علیہ ما عنتم ای لا یھمہ الا شانکم:

"رؤف کا معنی ہے بے حد مہربانی اور شفقت فرمانیوالا۔ حسین بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی میں جمع نہیں فرمایا۔ عبد العزیز بن یحیی فرماتے ہیں عزیز علیہ الخ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہاری فلاح و بہبود کے سوا کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی ۱۸۲ اگر بے سمجھ اس رسول کی تعلیم کو تسلیم نہ کریں اور اس کی اطاعت کو فرض نہ جانیں تو اے محبوب تمہیں کیا تیرا نگہبان و اللہ ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے